ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

جولائی July 2023 جلد: Vol: 6 شمارہ: Issue: 65

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابوہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/- امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 -

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی ۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی ۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی ۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق ۔ ڈاکٹر حمران احمد ۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین ۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری ۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین ۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ ۔ ڈاکٹر غلام مصطفی خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی ۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد ۔
مولانا عبدالوحید ندوی ۔ مولانا احمد نور عینی
ابوہریرہ ایوبی ۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	تبدیلی وسائل زندگی میں ہوتی ہے نہ کہ فطرت انسانی میں!	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۷
۴	قرآن کا تعارف	مولوی حبیب الرحمٰن	۱۰
۵	نصرتِ الٰہی وغلبہ مومنین کا واحد معیار اسلامی تعلیمات پر عمل ہے	ڈاکٹر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی	۱۳
۶	**تضمینی غزل بر مصرع جون ایلیا**	علی شاہد دلکش	۱۶
۷	”حج“ گناہوں سے نجات وسنتِ ابراہیمی کے احیاء والی عبادت	ایس۔ ایم۔ عارف حسین	۱۷
۸	**غزل**	ضیا فاروقی	۱۸
۹	یکساں سول کوڈ مسلمانوں کو کیوں قبول نہیں؟	مفتی محمد صادق حسین قاسمی	۱۹
۱۰	نعت، ہندو نعت گو شعراء اور پنڈت ہری چند اختر	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۲۲
۱۱	**غزل**	پروفیسر مظفر شہ میری	۲۷
۱۲	قرۃ العین حیدر اُردو ادب کا زریں باب	روحینہ فاطمہ سحر	۲۸
۱۳	**نعتِ رسول ﷺ**	حافظ وقاری ولی محمد زاہد ہریانوی	۳۲
۱۴	تحریک آزادی میں طوائفوں کا کردار (طوائف عزیزن بائی کے حوالے سے)	رفیعہ نوشین	۳۳
۱۵	**غزل**	سید نوید جعفری	۳۶
۱۶	سوشیل میڈیا۔ کیا کھویا، کیا پایا	ڈاکٹر قمر حسین انصاری	۳۷
۱۷	**غزل**	عبد المنان صمدی	۳۸
۱۸	**نظم**	محمد یاسین ہابیل	۳۹

ماہنامہ ”صدائے شبلی“ کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدر آباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر **سید جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدر آباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدر آباد

الحاج **محمد زکریا انجینئر** (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبد الرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدر آباد

مولانا **محمد عبد القادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندر آباد، حیدر آباد

الحاج **محمد قمر الدین**، نبیل کالونی بارکس حیدر آباد

الحاج **محمد عبد الکریم**، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدر آباد

اپنی بات

۱۴؍جون ۲۰۲۳ء کو 22ویں لاکمیشن نے یکساں سول کوڈ کے بارے میں وسیع پیانے پر عوام اور مذہبی تنظیموں سے آراء اور خیالات طلب کرنے کا فیصلہ کیا، حالانکہ اسی کمیشن نے مارچ ۲۰۱۸ء میں بہت غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اس وقت ملک کو یکساں سول کوڈ کی ضرورت نہیں، لیکن عائلی قوانین کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ملک میں یکساں سول کوڈ کا نفاذ ناممکن ہے۔ کیوں کہ ہمارے ملک میں مختلف مذاہب، مختلف تہذیبیں اور علاقائی تشخص میں حد درجہ اختلاف پایا جاتا ہے، صدیوں سے اس ملک میں کثرت میں وحدت کا فارمولہ جاری رہا ہے، اگر اس کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو ملک کے حالات یکسر بدل جائیں گے، امن کی جگہ فساد اور بھائی چارہ کی جگہ خونریزی پھیل جائے گی۔ یکساں سول کوڈ کی باتیں کرنا یا نفاذ کے بارے میں سوچنا ہمارے ملک میں بقول بی آر امبیڈکر کے کہ پاگل پن ہے۔ جیسا کہ ملک کے آئین کی دفعہ ۲۵ آرٹیکل میں ہے: تمام اشخاص کو آزادیٔ ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کا مساوی حق دیا گیا ہے اور یہ ایسی دفعہ ہے جو بنیادی حق کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر اس کو ہلا دیا جائے تو ملک ہل جائے گا، اسی بنا پر ادارہ حکومت ہند اور لاکمیشن سے گزارش کرتا ہے کہ یکساں سول کوڈ کی بات ہی نہ کی جائے اور دفعہ ۴۴ کو اگر نکال دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ تاکہ آئندہ کسی اور طریقہ سے ملک کشمکش میں نہ مبتلا ہو، اس ضمن میں چند شرپسند عناصر جن کا تعلق مختلف شعبۂ حیات سے ہے وہ اس بحث میں آگ ڈال رہے ہیں۔ تاکہ ملک کی گنگا جمنی تہذیب متاثر ہوجائے اور ملک میں ہر طرف نفرت کا ماحول بن جائے۔ چند دانش مند کی یہ بھی ایک رائے ہے کہ اس مسئلہ کو صرف اچھالا جائے، حق اور حقیقت سے لوگوں کو دور کردیا جائے۔ لاحاصل سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اس سے گندگی اور خرابی وجود میں آتی ہے اور بعض سوشل میڈیا پر یہ بھی کہتے سنا گیا ہے کہ یکساں سول کوڈ کا معاملہ صرف جملے پر مبنی ہے اس سے سیاسی شعبدہ بازی نظر آتی ہے۔

میڈیا کے توسط سے دو خواتین کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہ دونوں اپنے شوہروں کو دھوکہ دے کر اپنا گھر اور سماج کا یقین توڑ رہی ہیں، جیوتی موریا نامی خاتون نے تو اپنے شوہر کا اتنا بھی لحاظ نہیں کیا کہ بلندی پر پہنچانے کا سہرا اس کے شوہر کے سر پر ہے، پھر بھی دھوکہ۔ عوام نے جیوتی موریا کا ساتھ نہیں دیا بلکہ پورے ملک اور دنیا میں جیوتی موریا نظروں سے گرگئی۔ دوسری خاتون سیما حیدر جو سابقہ تین شوہر کی چھوڑی ہوئی عورت اور موجودہ شوہر کے چار بچوں کی ماں، اس نے تو اپنے ملک کی سرحد اور اپنے مذہب کا ذرا بھی پاس ولحاظ نہیں کیا۔ وہ ہمارے ملک میں غیر قانونی طریقہ سے داخل ہوئی لیکن یہاں پر بعض ناعاقبت اندیش نے سیما حیدر کو سیما سچن بنا کر پیش کرنے کو کمال سے تعبیر کیا اور یہ بھی کہتے ہوئے سنا گیا کہ عشق سرحد نہیں دیکھتا، بھابھی پاکستان سے آئی ہے ہم خوش ہیں اس سے سماج کی صورت حال کا پتہ چلتا ہے۔ آج انٹرنیٹ اور مہنگے موبائل کی سہولت نے معاشرہ کو بے حیائی، بے غیرتی اور غیر قانونی دھندے میں ڈال دیا ہے۔ بالا دونوں معاملے میں حکومت ہند کا نرمی والا رویہ بھی قابل افسوس ہے کیوں کہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ امن عامہ اور صحت عامہ اور لا اِن آڈر کو نافذ کرنے میں چوک نہ کرے۔ کیوں کہ چھوٹی چنگاری اکثر شعلہ بن جاتی ہے۔

جولائی میں قادر الکلام، زود گو، صاف گو، سادگی پسند، عالمی شہرت یافتہ شاعر عالی جناب سید یوسف روش صاحب اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے، خداوند قدوس مرحوم کی مغفرت، جنت الفردوس عطا فرمائے، پسماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل دے آمین یارب العالمین، ادارہ شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد سید یوسف روش مرحوم کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا کہ تم نے یہ الفاظ کہے تھے، اس نے صاف انکار کیا، حضرت عمرؓ موجود تھے، بولے یا رسول اللہ ﷺ! اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں، آپ ﷺ نے فرمایا لوگ چرچا کریں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

جنگ احد میں عبداللہ بن ابی عین لڑائی کے پیش آنے کے وقت تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس چلا آیا، جس سے مسلمانوں کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا، تاہم آنحضرت ﷺ نے در گذر فرمایا (اور وہ جب مرا تو اس احسان کے معاوضہ میں کہ حضرت عباسؓ کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا، مسلمانوں کی ناراضی کے باوجود آپ ﷺ نے اپنا قمیص مبارک اس کو پہنا کر دفن کیا۔

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ: خلقِ عمیم میں کافر و مسلم، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی، ابرِ رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا، (یہود کو آنحضرت ﷺ سے جس شدت کی عداوت تھی، اس کی شہادت غزوۂ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے لیکن آپ ﷺ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا، آپ ﷺ ان میں ان ہی کی تقلید فرماتے۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے برسرِ بازار کہا "قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰؑ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی" ایک صحابیؓ یہ کھڑے سن رہے تھے، ان سے رہا نہ گیا، انھوں نے پوچھا کیا محمد ﷺ پر بھی؟ اس نے کہا "ہاں" انھوں نے غصہ میں ایک تھپڑ اس کے ماردیا، آنحضرت ﷺ کے عدل اور اخلاق پر دشمنوں کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا، آپ ﷺ نے ان صحابیؓ پر برہمی ظاہر فرمائی۔

ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، گویا باپ کی رضا مندی دریافت کی، اس نے کہا کہ "آپ ﷺ جو فرماتے ہیں اس کو بجالاؤ" چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا۔ ایک دفعہ سرِ راہ ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپ ﷺ کھڑے ہوگئے۔

ایک دفعہ چند یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور شرارت سے سلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت ہو) کہا حضرت عائشہؓ نے غصہ میں آکر ان کو بھی سخت جواب دیا، لیکن آپ ﷺ نے روکا اور فرمایا "عائشہؓ بدزبان نہ بنو، نرمی کرو، اللہ تعالیٰ ہر بات میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہودیوں کے ساتھ داد و ستد کرتے تھے، ان کے سخت و ناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے، یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر معاملات میں اختلاف پیش آتا تو مسلمانوں کی بلاوجہ جنبہ داری نہ فرماتے، اس قسم کی متعدد مثالیں دوسرے عنوانات میں مذکور ہیں، ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ "محمد ﷺ! دیکھو ایک مسلمان نے مجھ کو تھپڑ مارا ہے" آپ ﷺ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا۔ (سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۲۹۲-۲۹۴)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی-صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

تبدیلی وسائل زندگی میں ہوتی ہے نہ کہ فطرت انسانی میں!

آج کی ترقیات اور انکشافات نے زندگی کی قدریں یکسر تبدیل کر دی ہیں، جو کل رینگتا تھا، وہ آج برق رفتار سواریوں کو وجود میں لا چکا ہے اور ہوا کے دوش پر اڑ رہا ہے، کل تک دریا کی معمولی موجیں جس کے لئے ایک ناقابل تسخیر مصیبت تھی، آج وہ سمندر کا جگر چیر کر لعل و جواہر کی دنیا سمیٹ رہا ہے، کل کا لکڑیاں جلانے اور چراغ میں تیل ڈالنے والا آج برقی، آلات و وسائل کی مدد سے پوری دنیا کو اپنی مضبوط گرفت میں لے چکا ہے، کل تک جو اپنی نحیف آواز میل دو میل کے فاصلے پر پہنچانا بھی ممکن تصور نہ کرتا تھا، آج کی حیرت انگیز ایجادات نے اس کی آواز کو آفاقی بنا دیا ہے اور اس کی آواز بیک وقت ایک دو شہر نہیں پوری کائنات میں پھیل سکتی ہے... پھر آخر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ اس دور کا قانون آج کی اس ترقی یافتہ دنیا کا ساتھ دے سکے اور ان کے لئے مشعلِ راہ بن سکے!

اس دلیل کو ہمارے مغرب زدہ اور علوم اسلامی سے ناآشنا حضرات نے ایسی تسلیم شدہ حقیقت تصور کر لیا ہے کہ گویا اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہو؛ حالاں کہ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جو چیز بدلتی رہی ہے اور بدل رہی ہے، وہ کیا ہے؟ کیا انسان کی فطرت بدل گئی ہے؟ اس کے طبعی تقاضے تبدیل ہو گئے ہیں؟ یا محض وسائل اور اسباب میں تغیر رونما ہوا ہے؟ ذرائع زندگی میں فراوانی آئی ہے؟

اس نکتہ پر جب کوئی شخص غور کرے گا تو اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہے گا کہ ازل سے آج تک دنیا میں جو انقلابات رونما ہوتے رہے ہیں اور جو تبدیلیاں پیدا ہوتی رہی ہیں، ان کا تعلق اسباب و وسائل کی دنیا سے ہے، انسان کی فطرت اور اس کی طبعی افتاد آج سے دس بیس ہزار سال پہلے جو تھی، وہی اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

ایک بچہ اپنے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی اپنے دل میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی خواہش پاتا ہے؛ مگر وہ اپنے دست و پا کو اس سے بے بس پا کر روتا ہے، اشارہ کرتا ہے اور اپنے بڑوں کی گود کے سہارے ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے، پھر جب اس کے پاو؟ں میں اتنی قوت پیدا ہوتی ہے کہ وہ خود سے جنبش کرے اور کسی قدر چل سکے تو وہ گھٹنوں کے سہارے کیڑوں کی طرح زمین پر رینگنا شروع کر دیتا ہے، وہ ذرا بڑھتا ہے تو ہلکے ہلکے قدموں کے ساتھ چلنے کی کوشش کرتا ہے، جوان ہوتا ہے، عمر پختہ ہوتی ہے، جسم میں توانائی آتی ہے تو وہی دوڑنے لگتا ہے، چھلانگ

لگاتا ہے، کودتا ہے اور پھر جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش میں بسوں اور ٹرینوں، جہازوں اور راکٹوں کی طرف مدد کا ہاتھ پھیلاتا ہے، یہ بتدریج پیدا ہونے والی تبدیلیاں اگر غور کیا جائے تو محض وسائل میں رونما ہوتی رہی ہیں، اسباب سفر تبدیل ہوتے رہے ہیں؛ لیکن اس کے پس پردہ کارفرما انسانی فطرت، یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی خواہش، ہر جگہ یکساں طور پر باقی ہے اور اس میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا ہے۔

میں نے یہ محض ایک مثال دی ہے، ورنہ آپ جس چیز کے بارے میں بھی چاہیں، اس انداز میں تجزیہ کر لیجئے، آپ محسوس کریں گے کہ تغیر پذیر محض ''اسباب'' ہیں، انسان کی ''فطرت'' اپنی جگہ قائم ہے، وہ جس طرح کل کبھی رنج و غم اور کبھی مسرت و شادمانی محسوس کرتا تھا آج بھی کرتا ہے، پہلے آہ و واہ سے اس کا اظہار کرتا تھا اب بھی کرتا ہے، کل جس طرح اس کے دل میں اپنے دشمنوں کے خلاف انتقام کا شعلہ سلگتا تھا آج بھی سلگتا ہے اور جس طرح کل اس کا سینہ مال و دولت اور حرص و ہوس کی آماجگاہ تھا آج بھی اقتصادی ترقی کا بھوت اس کے ہوش و حواس پر سوار ہے، آج بھی اس کا نفس اس کو اخلاقی تقاضوں کے بالائے طاق رکھ دینے کی تلقین کرتا رہتا ہے، جس طرح ماضی کا نقشہ ہمارے سامنے ہے، جس طرح کل جاگیرداری اور زمینداری کی تمنا اس کو بے چین کئے رہتی تھی آج بھی اس کے دل میں حکومت اور اقتدار کی آرزوئیں چٹکیاں لیتی رہتی ہیں — پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بڑی حد تک وہ فکری بنیادیں بھی آج تک قائم ہیں جو پہلے تھیں، جس طرح پہلے ''سچائی'' کو ''اچھائی'' اور ''جھوٹ'' کو ایک ''پاپ'' تصور کیا جاتا تھا آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی جھوٹ کو کوئی ''کارِ خیر'' تصور نہیں کیا جاتا، جس طرح کل ''ایفاءِ عہد'' محبوب تھا آج بھی ''عہد شکنی'' معیوب ہے اور جس طرح کل ''ایمانداری'' اور ''انصاف پروری'' محمود تھی آج بھی ''خیانت'' اور ''ظلم و جور'' مذموم ہے۔

معلوم ہوا کہ عہد حاضر کی دلفریب ترقیاں اور تبدیلیاں چاہے وہ کتنی ہی حیرت انگیز اور تعجب خیز ہوں اور کتنی ہی نئی اور انوکھی ہوں، بہر حال انھوں نے اسباب و وسائل میں کسی قدر اضافہ کر دیا ہے اور انسان کے لئے زندگی میں راحت کے کچھ سامان فراہم کر دیئے ہیں؛ مگر وہ چیز اور جسے ''انسانی فطرت'' کہا جاسکتا ہے، وہ ایک ایسی غیر تغیر پذیر حقیقت ہے جسے زمانہ کی کہنگی اور وقت کا تیز روسفر کچھ بھی متاثر نہیں کر سکتا۔

اس مرحلے پر آ کر ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ اسلام اور اس کے قانونی نظام کا اصل موضوع اسباب و وسائل نہیں ہیں؛ بلکہ اس کا موضوع انسان، اس کی فطرت اور اس کے فطری تقاضوں کی مناسب حدود میں تکمیل ہے، پس جس طرح انسان ایک غیر متبدل حقیقت ہے، اسی طرح ظاہر ہے اس سے تعلق رکھنے والا قانون بھی ابدی اور دائمی ہوگا۔

لیکن اس کے باوجود بلا شبہ نو دریافت وسائل زندگی، بدلتے ہوئے عرف اور زندگی کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی ڈھانچہ میں غیر معمولی تبدیلی کا یہ تقاضا ضرور ہے کہ قانون میں اس کی کچھ رعایت کی جائے اور ان نئے تقاضوں اور وسائل سے اسلامی قوانین کو ہم آہنگ کیا جائے اور جزوی اور فروعی حدود میں اسلام ان تقاضوں کو قبول کرے، اس سلسلہ میں ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ اسلام نے بعض قانونی

اور فکری امتیاز اور بنیادی اُصول کو جوں کا توں باقی رکھتے ہوئے ایک مخصوص حد میں ضروری تغیر و تبدل اور واقعی تقاضوں کی تکمیل کے لئے ایسی لچک باقی رکھی ہے جو اس کو فرسودگی سے بچائے رکھے؛ چنانچہ مشہور فقیہ اور مزاجِ شریعت کے رمز شناس حافظ ابن القیم (۱۲۹۱ - ۱۳۷۰) اپنی گراں قدر کتاب ''اعلام الموقعین'' میں اس موضوع پر ایک مستقل باب قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عرف و عادت، حالات و مقاصد اور زمان و مکان کے تغیر کی بنا پر مسائل میں اختلاف اور تغیر و تبدل کا بیان، یہ بڑی مفید اور اہم بحث ہے، جس سے ناواقفیت کی بنا پر شریعت میں بڑی غلطیاں واقع ہوئی ہیں، جس نے دشواری، تنگی اور استطاعت سے ماورا تکلیف پیدا کردی ہے، جب کہ یہ بات معلوم ہے کہ شریعت جو مصالح کی غیر معمولی رعایت کرتی ہے، ان ناقابل برداشت کلفتوں کو گوارا نہیں کرتی، اس لئے کہ شریعت کی اَساس سراپا رحمت اور سراپا مصلحت ہے؛ لہٰذا جب کوئی حکم عدل کے دائرہ سے نکل کر ظلم و زیادتی، رحمت کی حدوں سے گذر کر زحمت، مصلحت کی جگہ خرابی اور کارآمد ہونے کے بجائے بیکار قرار پائے تو وہ شرعی حکم نہیں ہوگا۔ (اعلام الموقعین، جلد:۲)

جس قانون میں ایک ایسا تغیر پذیر اور لچکدار پہلو موجود ہو اور وہ ہر دور کے سیاسی و اخلاقی حالات، جدید انکشافات و تغیر اور رسوم و عادات کے تحت مناسب تبدیلی کو گوارا کرلیا کرتا ہو اور جس کی اسی وسعت نے اس کو چودہ سو سال تک مسلسل زندہ اور پائندہ رکھا ہو اور تمام انفرادی اور اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی مسائل اس کی روشنی میں حل کیے جاتے رہے ہوں، اس کو جامد اور کسی زمانے کے لئے ناکارہ کہنا سوائے عناد کے اور کیا ہے؟ اس قسم کی باتیں عموماً ہمارے مسلمان قانون داں ہی ''ارشاد'' فرماتے رہتے ہیں؛ حالاں کہ بعض غیر مسلم ہندو اور مستشرقین ماہرین قانون نے عموماً اسلامی فقہ کی تعریف کی ہے اور اس کی افادیت کا اعتراف کیا ہے، چند سال قبل دہلی میں منعقد ہونے والے ایک سیمنار میں سابق جج سپریم کورٹ مسٹر وی، آر کرشنا آئر نے کہا:

یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ہندوستانی سول کوڈ میں اسلامی قانون کی کوئی جگہ نہیں ہے؛ بلکہ مستقبل میں اسلامی اُصول قانون، ہندوستانی سول کوڈ کا ایک بڑا عنصر بن کر رہے گا۔

اسی سپریم کورٹ کے دوسرے جج نے اپنی تقریر میں کہا:

ہندوستان کے نظام قانون میں اسلام کی دَین کسی سے کم نہیں ہے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہندوستان کے قوانین میں اُصولی حیثیت سے اسلامی قانون کے نفاذ کی کوشش کریں۔ (صدق جدید:۱۳ر فروری ۱۹۸۱ء) (ماخوذ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو دل کا صاف اور زبان کا پکا ہو۔ (سنن ابن ماجہ:۴۲۱۶)

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

قرآن کا تعارف

قرآن فہمی

واقعہ یہ ہے کہ قرآن فہمی یعنی کلام الٰہی سے مرادِ الٰہی کو پانا ایک خدا داد نعمت ہے۔ وہی سعادت ہے۔ اس نعمتِ عظمٰی سے وہی بندے سرفراز کئے جاتے ہیں جو اللہ علیم و خبیر سے احتیاجِ علمی کی نسبت قائم کر لیتے ہیں اور فیضانِ علمی کے لئے صرف آستانہ علیم وخبیر پر سرافگندہ رہتے ہیں اور اپنے قصور و جہل کے اعتراف کے ساتھ ''ربّ زدنی علما'' ترجمہ: (اے میرے رب میرے علم میں زیادتی فرما۔) کا معروضہ بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس رحمتِ خاص کا امیدوار بننے کے لئے چند خاص شرائط اور چند خاص اصول ہیں۔

شرائط:

1۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ محبوب ہو جائیں جس کا حاصل یہ ہے کہ

الف۔ دنیا کے عیش، تنعم، جاہ، شہرت اور زر و مال کی طلب و حرص نہ رہے اور آخرت کی خیر و ابقیٰ زندگی اور اس کے درجات وفضائل کی طلب وحرص پیدا ہو جائے۔

ب۔ صورتاً و سیرتاً اتباع و اطاعت رسالتؐ ہو اور تمام افکار و اشغال اسوۂ حسنہ کے مطابق ہوں۔

2۔ روایات، کشف اور ماحول کے اثرات سے ذہن پاک ہو اور خرقِ عادات (کرامات) کا مطالبہ نہ ہو۔

3۔ اپنی خامی و کمزوری پر ہر وقت نظر رہے اور اس کی اصلاح کی جائے۔

4۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت علم وہدایت کا جو فیضان ہوتا رہتا ہے اس وقت یہ ادراک (شعور) رہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے۔

5۔ اہلِ باطل سے بغض وعناد اور قلبی نفرت ہو چاہے وہ دیگر علوم کے کتنے ہی ماہر کیوں نہ ہوں مگر دینِ الٰہی کا منکر ہونے کی وجہ سے ان کو جاہل جانے اور دین کے خلاف ان کی جو بات بھی سنے اس کو بکواس سمجھے۔

6۔ قلب میں کسی سے کینہ وحسد نہ ہو اور نہ اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے شکوہ وشکایت۔

7۔ اظہارِ حق میں نہ کسی کا خوف ہو نہ کسی کی رو و رعایت۔

8۔ لغو اور فضول باتوں سے بالکلیہ اجتناب۔

9۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں کوتاہی نہ ہو۔

اصول یہ ہیں:

1۔ قرآنی دعوت اور نزولِ قرآن کا مقصد پیشِ نظر رہے۔

2۔ ایک آیت کی تفسیر دوسری محکم آیتوں کے خلاف نہ ہو کیونکہ قرآن کی ہر آیت پورے قرآن سے مربوط ہے اور آیاتِ محکمات ہی ام الکتاب ہیں یعنی علم وحکمت کی نہریں ہیں۔ ''هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ'' (سورہ آل عمران:7)۔

3۔ فطرتِ انسانی کو قرآن مجید سے سمجھنے کی کوشش کی جائے

کیونکہ قرآن مجید خالقِ فطرت کا کلام ہونے کی وجہ سے صحیفۂ فطرت ہے آئینۂ فطرت ہے۔ "لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" (سورہ الانبیاء:10) ترجمہ: (یقیناً تمہاری طرف ایک کتاب اتاری ہے جس میں تمہارا ہی ذکر ہے، کیا اس پر غور نہیں کرتے۔)

4۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرامؓ کی روش پیشِ نظر رہے۔

5۔ قرآن کے مخاطبین کے حالات، کیفیات، قلبی واردات، شکوک وشبہات اور باطل خیالات، قرآن ہی سے معلوم کیے جائیں۔

عربی دانی، صرف ونحو کا ماہر یا سند یافتہ عالم ہونا لازمی شرط نہیں ہے۔

غیر اقوام میں قرآن کی اشاعت

غیر مسلم اقوام کے سامنے قرآن مجید کو ترجمہ ہی کی صورت میں پیش کرنا لاحاصل اور سعی نا مشکور ہے۔ "لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا" (اسریٰ:82)

ترجمہ: (مگر ظالموں کے لئے خسارے کے سواء اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔)

کیونکہ قرآن مجید میں حکمت ودانشمندی کی جو تعلیم ہے، انسانیت اور بندگی کا جو درس ہے اس کو سمجھنے کی صلاحیت اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی (یا پیدا نہیں کی جاتی) جب تک دعوتی کلمہ لا الہ الا اللہ اور بعد الموت کی حقیقی وابدی زندگی کا یقین نہ ہو۔ ابدی زندگی کی وہ تفصیل جو قرآن مجید میں ہے اس پر ایمان لائے بغیر قرآن کی اخلاقی، سیاسی، معاشرتی تعلیم کتنی ہی شرح وبسط کے ساتھ کیوں نہ پیش کی جائے سنّتِ الٰہی یہی ہے کہ غفلت کے پردے چاک نہ ہوں اور قلب بیدار نہ ہو۔ "وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا" (سورہ اسریٰ:45)

ترجمہ: (اور آپ جب قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپؐ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں۔)

صحیح طریق کار یہ ہے کہ غیر مسلم قوموں کے سامنے اولاً توحید خالص و آخرت اور رسالتِ محمدیہؐ پیش کی جائے یہی بنیادی چیز ہے۔ جیسا کہ اس کے ماقبل باب میں عرض کیا گیا ہے۔

"قرآن مجید" سابقہ کتب کا مصدق (تصدیق کرنے والا) ہونے کا مطلب

پہلے انسان آدمؑ کے زمانے سے نزولِ قرآن کے زمانے تک اللہ تعالیٰ ہر ملک وقوم کے لوگوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے جو تعلیم نازل فرماتے رہے ہیں۔ قرآن کریم میں وہی تعلیم مکمل پیش کی گئی ہے اسی وجہ سے قرآن کا وصف "مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ" (سورہ البقرہ:41) ترجمہ: جو کتابیں تمہارے پاس ہیں ان کی تصدیق کرنے والی (کتاب) فرمایا۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ پچھلی آسمانی کتابیں مکمل نہیں تھیں، تورۃ اور زبور کے لئے بھی تفصیل "لِكُلِّ شَيْءٍ" آیا ہے یا پھر مصدق کا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اب جو مذہبی کتابیں، آسمانی کتابوں کے نام سے مذہبی قوموں کے ہاتھوں میں ہیں۔ قرآن مجید ان کے صحیح ہونے کی تصدیق کرتا ہے اور شائد اسی غلط تصور کی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ تمام موجودہ مذاہب حق ہیں۔ لفظ "مصدق"

کی یہ بالکل غلط تعبیر ہے۔قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ سابقہ الٰہی تعلیم کے بہت کچھ اجزاء یا تو چھپا دیئے گئے یا ان میں انسانی خیالات وتجاویز بھی ملادی گئیں۔ چنانچہ اہلِ کتاب کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ" (سورہ البقرہ:42' ال عمران:71) ترجمہ: (کیوں ملاتے ہو حق اور باطل کو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو۔)

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ اب جو مذہبی کتابیں توریت وانجیل وغیرہ کے نسخے دنیا میں موجود ہیں ان میں حق و باطل ملا ہوا ہے اور بہت کچھ الٰہی تعلیم پوشیدہ ہوگئی۔قرآن مجید ان کتابوں کا مصدق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں حق و باطل کے اجزاء کو الگ الگ کر کے جو حق ہے اس کو پیش کیا گیا ہے گویا اب قرآن مجید کے سوا کسی اور کتاب میں خالص حقانی و ربانی تعلیم موجود نہیں ہے۔اسی لئے قرآن مجید کو "مھیمنا علیه" (ان کتابوں کا محافظ) بھی فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اب تمام الٰہی تعلیم اس کتاب میں مکمل و محفوظ ہے۔ بالفاظِ دیگر مطلب یہ ہے کہ اب یہی ایک کتاب ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں) جس پر عمل کر کے ہر ملک وقوم کا انسان نجات پاسکتا ہے۔ انسانوں کے تمام قلبی امراض کا علاج اسی نسخۂ شفاء میں ہے، تمام انسانوں کا صرف یہی ایک الٰہی نظامِ حیات ہے۔

ایک ذہنی پستی

مسلمان جب باطل فلسفۂ الٰہیات سے دوچار ہوئے تو اس کے نظریات کی تردید کے لئے علم کلام ایجاد کیا اور اس کا نام معقول رکھا اور کتاب وسنت کا منقول یعنی وہ عقل کو دعوت نہیں دیتی (اللہ تعالیٰ معاف فرمائے) یہ بڑی لغزش ہوئی اور کتاب وسنت کی بڑی ناقدری۔حالانکہ کتاب وسنت کی تعلیم میں جاہل و نادان انسان کو عقل و دانائی سکھائی گئی ہے۔ "كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ" (سورہ البقرہ:242) معقول کے مقابلہ میں اس کا نام منقول رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تعلیم صرف نقل ہی نقل ہے۔کتاب وسنت کی اس ناقدری کا ردِ عمل یہ ہوا کہ سوچنے سمجھنے کا انداز' کلامی ہو کر رہ گیا یا پھر کشفی۔حالانکہ اس سرچشمۂ علم وحکمت (قرآن) میں باطل خیالات کی تردید کرنے کی بھی بہترین تعلیم ہے اور ایسے دلائل ہیں جس سے باطل کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے۔ "بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ" (سورہ الانبیا:18) ترجمہ: (بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجہ نکال دیتا ہے پس باطل فنا ہو جاتا ہے۔) دیکھئے مسلمان کب اس ذہنی پستی سے نکلتے ہیں اور صرف کتاب وسنت ہی سے عقل و دانائی حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

(ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص:۵۹-۶۳)

حضرت علی کرم اللہ وجھہ

اللہ تعالیٰ کبھی دو مخلص لوگوں کو جدا نہیں کرتا جدا تب کرتا ہے جب دونوں میں سے کوئی ایک منافق ہو اللہ کبھی مخلص کو منافق سے نہیں جوڑتا۔

از: ڈاکٹر ابو زاھد شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی
کامل الحدیث جامعہ نظامیہ، حیدرآباد (Osm)M.A., M.Com., Ph.D

نصرتِ الٰہی و غلبہ مومنین کا واحد معیار اسلامی تعلیمات پر عمل ہے

اللہ تعالی اپنے حبیب مکرمؐ کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب سورۃ محمد کی آیت نمبر سات میں ایمان والو سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تعالی تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم بھی رکھے گا۔ چونکہ اللہ تعالی ہر چیز سے بے نیاز ہے اسی لیے علمائے اعلام نے اس آیت پاک میں مذکور ''اگر تم اللہ کی مدد کروگے'' سے مراد قرآن اور صاحب قرآنؐ کی اطاعت و فرمانبرداری مراد لیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالی نے رسول رحمتؐ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اسی طرح اس آیت پاک میں دین اسلام اور سرور کونینؐ کی مدد کو اپنی مدد گردانا ہے۔ اس آیت پاک میں جملہ شرطیہ کا استعمال ہوا ہے یعنی وہ جملہ جو شرط اور جزاء سے ملکر بنا ہو اسے جملہ شرطیہ کہتے ہیں۔ جملہ شرطیہ میں مشروط شرط کے تابع ہوتا ہے یعنی جب شرط پائی جائے تو مشروط بھی موجود ہوتا ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو اللہ تعالی اپنے بندوں سے کہہ رہا ہے کہ نصرت خداوندی تمہارے شامل حال اسی وقت ہوگی جب تم قرآن اور صاحب قرآنؐ کے ارشادات و احکامات پر عمل کر کے ان کی مدد کروگے تب اللہ تعالی نہ صرف مومنین کی نصرت وحمایت فرمائے گا بلکہ عملی و اعتقادی پختگی و ثابت قدمی اس طرح مسلمان کی زندگی میں سرایت کردے گا کہ ان کے رعب سے دنیا مرعوب ہوجائے گی اور دنیا میں ان کا دبدبہ قائم ہوجائے گا۔ کیوں نہ ہو جس قوم کو اللہ تعالی کی تائید و نصرت حاصل ہوجائے اسے دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت نہ ڈرا سکتی ہے اور نہ ہی بدنام کرسکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ قوم قرآن اور صاحب قرآنؐ کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔ اس کے برعکس جس وقت مسلمان قرآن اور صاحب قرآنؐ کی ہدایات و فرمودات کی خلاف ورزی کریں گے اس وقت وہ نصرت خداوندی سے محروم ہوجائیں گے نتیجتاً دنیا سے وہ مرعوب ہوجائیں گے اور ان کی حالت خس و خاشاک سے بھی بدتر ہوجائے گی موجودہ حالات اسی حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔

پوری دنیا میں جس قدر اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور مسلمانوں کو حراساں و پریشاں کیا جارہا ہے ایسے حالات کسی اور مذہب اور قوم کے ساتھ پیش نہیں آرہے ہیں۔ جس کی اہم وجہ مسلمانوں کا مذہبی تعلیمات سے منحرف ہوجانا ہے۔ دنیا میں انسان جس چیز

سے سب سے زیادہ قلبی وروحانی طور پر وابستہ ہوتا وہ مذہب ہے جو ہر انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ مذہب سے اٹوٹ رشتہ رکھنا انسانی فطرت میں شامل ہے۔ ہر انسان اپنے مذہب سے بے انتہاء محبت کرتا ہے اور اس کے لیے اپنی زندگی قربان کرنے کے لیے رضا ورغبت تیار ہوجاتا ہے اسی لیے کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دیگر مذاہب، مذہبی شخصیات اور مقدسات کی بے حرمتی کرے۔ یقیناً ایسی مذموم حرکات کے خلاف انتہائی سخت اور موثر قوانین مدون ہونے چاہئے چونکہ ان نازیبا حرکات سے نقض امن کا خطرہ لاحق ہوجاتا ہے، امن عالم کی فضا مکدر ہوجاتی ہے اور انسانیت شرمسار ہوجاتی ہے۔ اگر ایسے معاملات میں ڈھیل دی جائے تو انسانی معاشرے کا شیرازہ بکھر جائے گا اور انسان تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ ہونے کے باوجود جانور سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہوجائے گا۔

حال ہی میں عراقی نژاد تارک وطن نے عیدالاضحیٰ کے موقع پر سویڈن کے دارالحکومت سٹاک ہوم میں ایک مسجد کے سامنے قرآن پاک کے نسخہ کو نذر آتش کرکے دنیا بھر کے مسلمانوں بلکہ انسانیت پسند لوگوں کو مشتعل کرنے اور ان کے دلوں کو ٹھیس پہنچانے کی ناپاک و مذموم کوشش کی تھی۔ جس پر مختلف ممالک کی عوام اور حکومتوں نے اپنا احتجاج بجا طور پر درج کروایا۔ ہمیں یاد کرنا چاہیے کہ عراق کے سابق صدر صدام حسین کو بھی عیدالاضحیٰ کے دن ہی تختہ دار پر چڑھایا گیا تھا اگر اس وقت امت مسلمہ بالخصوص مسلم ممالک کے حکمراں اپنے آپسی اختلافات کو فراموش کرکے متحد ہوکر اس کی مخالفت کرتے اور مغرب کی اُس گھناؤنی سازش کا اسی وقت تدارک کرتے تو آج ہمارے سامنے ایسے حالات رونما نہ ہوتے۔ مخالفین اسلام ہماری غیرت اور حمیت کو آہستہ آہستہ آزمارہے ہیں اور یہی کچھ ہمارے وطن عزیز ہندوستان میں بھی ہورہا ہے۔ پہلے مسجد کو شہید کیا گیا پھر اسلام کے نظام نکاح وطلاق اور وراثت پر اعتراضات کیے گئے اور اب 21 ویں لاکمیشن کا سہارا لیتے ہوئے فرقہ پرست طاقتیں یکساں سیول کوڈ کے ذریعہ شریعت مطفیٰ میں مداخلت کرنے کی ناپاک سازش اور منصوبہ تیار کررہے ہیں۔ ان تمام حالات میں ہمیں اس بات کا بڑی گہرائی و گیرائی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہر مرتبہ دشمنان اسلام اور فسائی طاقتیں کامیاب اور حق کی علمبردار امت مسلمہ ناکام کیوں ہورہی ہے؟ ایران کی صفوی حکومت، ترکی کی سلطنت عثمانیہ اور ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد مسلمان تعلیمی، معاشی، معاشرتی، سیاسی الغرض ہر میدان میں پسماندگی کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔

اگر ہم بنظر غائران حقائق کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ قرآن اور صاحب قرآن کی تعلیمات کو مسلمانوں کی اکثریت نے عملی طور پر فراموش کردیا ہے۔ اغیار قرآن مجید کی بے حرمتی کرتے ہیں تو ہم شدید احتجاج درج کرواتے ہیں لیکن کیا ہم نے کبھی یہ سونچا ہے کہ کیا ہمیں قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے کا حق حاصل ہے؟ جب بھی ہم روزمرہ کی زندگی میں قرآنی ارشادات واحکامات کو عملی طور پر فراموش کرتے ہیں تو یہ بھی قرآن مجید کی بے حرمتی متصور ہوگی بلکہ اغیار کی بے حرمتی سے زیادہ سنگین گناہ ہے۔ اولاً اگر مسلمان قرآن مجید کے احکامات پر عمل پیرا ہوتا تو کسی انسان کی ہمت ہی نہ ہوتی کہ وہ انسانیت کے خلاف کوئی بکواس کرے چونکہ قرآن مجید کے ارشادات انسانیت کا سرچشمہ ہے۔

اگر مسلمان عملی طور پر قرآن اور صاحب قرآن کی تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کرتے تو وہ بھی نہ صرف دین اسلام کی حقانیت کے معترف ہوجاتے بلکہ قوی امکان ہے کہ حلقہ بگوش اسلام ہوجائیں۔ ثانیاً اغیار قرآن مجید پر ایمان نہیں رکھتے اسی لیے وہ ایسی مذموم حرکت کررہے ہیں لیکن ہم تو قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں اس کے باوجود اسلامی تعلیمات اور ہماری عملی زندگی میں کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اغیار تو وقفہ وقفہ سے قرآن مجید کی بے حرمتی کرتے ہیں اور ہم تو روزآنہ قرآن مجید کی بے حرمتی کررہے ہیں۔ قرآن مجید ہماری زندگی کے تمام افعال واعمال کو سنوانے کے لیے نازل کیا گیا ہے اور ہم نے اسے گھر بھرونی، دکان کے افتتاح، کسی کی وفات، زیارت، چہلم برسی یا عرس کے موقع پر تلاوت کرنے تک محدود کردیا ہے۔ ہمارا کردار اب تو اس قدر نچلی سطح پر پہنچ چکا ہے کہ ہم ان چنندہ مواقع پر بھی خود تلاوت نہیں کررہے ہیں بلکہ پیسہ خرچ کرکے مدرسہ کے بچوں کو بلاوا کر قرآن مجید کی تلاوت کروارہے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

قرآن مجید کے ارشادات واحکامات پر عمل کرنا تو دو کنار ہمارے پاس اب قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا وقت بھی نہیں رہا ایسے عالم میں اگر اغیار قرآن مجید کی بے حرمتی کرتے ہیں تو ہم کس حق سے ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں گے؟۔ اگر ہمیں احتجاج درج کروانا ہی ہے تو سب سے پہلے ہم اپنے خلاف احتجاج درج کروائیں۔ چونکہ ہماری بداعمالیوں اور بدکرداریوں نے مخالفین اسلام کو ہمت و حوصلہ بخشا ہے کہ وہ آج ایسی قبیح وناپسندیدہ حرکات کرنے کی جرات کررہے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ہمارے تعلیمات اسلامی سے عملی طور پر دور ہونے ہی کا خمیازہ ہے کہ ہماری زندگی میں ایسے حالات پیش آرہے ہیں۔ قرآن مجید پر عمل کیے بغیر ہم جتنے احتجاج کرنا ہے کرلیں نہ کوئی تبدیلی آنے والی ہے اور نہ کوئی ہماری تائید وحمایت میں آگے آنے والا ہے۔

اگر ہم واقعی چاہتے ہیں کہ دنیا سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کا خاتمہ ہوجائے، ہم من الحیث القوم عزت و وقار کی زندگی گزاریں تو ہمیں چاہیے کہ صمیم قلب کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے رجوع الی اللہ ہوجائیں چونکہ وہی قادر مطلق ذات ہے جس نے باطل طاقتوں کی کثرت کے مقابل حق پرستوں کی قلیل تعداد کو ہمیشہ کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرمایا ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید کی حفاظت ونگہبانی کا ذمہ لیا ہے اب جو شخص بھی عملی طور پر قرآن مجید سے وابستہ ہوجائے گا اللہ تعالی اس کی بھی حفاظت فرمائیں گے اور جو شخص اللہ تعالی کی حفظ وامان میں ہو دنیا ملکر بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتی۔ لہٰذا موجودہ دور میں مسلمان پر لازم ہے کہ مخالفین اسلام کی مذموم حرکات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے ساتھ رب سے اپنے تعلق کو مضبوط کرلیں اور یہ اسی وقت ہوگا جب ہم اپنی تمام تر توانائیاں رزق کی تلاش وحصول کے ساتھ رازق کو راضی کرنے میں میں صرف کریں گے۔ آخر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ بطفیل نعلین پاک مصطفیٰ اس ماہ مبارک میں تمام مسلمانوں کو اپنی رحمت، مغفرت سے سرفراز فرمائے اور دوزخ سے نجات عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سیدالمرسلین طہٰ ویٰسین۔

☆☆☆

علی شاہدؔ دلکش۔ پورباشا، کانکی نارہ، مغربی بنگال

تضمینی غزل بر مصرع جون ایلیا

سبھی ہو کر بے قابو آ رہے ہیں
''مِری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں''

مجھے نینا سجھانے آ رہے ہیں
''مِری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں''

وہی رت پھر سہانے آ رہے ہیں
''مِری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں''

چلے جاؤ خدا کے واسطے اب
''مِری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں''

تِری آنکھوں کا پانی مَر گیا ہے
''مِری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں''

نہ آنا ہے اُنھیں ، تو وہ نہ آئیں
''مِری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں''

ہوئی شدتِ غم پیہم ، تبھی یار
''مِری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں''

بچھڑتے وقت بھی وہ مست ہے یار
''مِری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں''

گلے مجھ سے نہ مل بالم ، تُو اب جا
''مِری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں''

یوں آمد قہقہوں کی ہوئی شاہدؔ
''مِری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں''

کچل کر درد سارے دل کے شاہدؔ
''مِری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں''

☆☆☆☆☆

ایس۔ایم۔عارف حسین۔اعزازی خادم تعلیمات۔وجنرل سکریٹری انجمن،مشیرآباد،حیدرآباد

''حج'' گناہوں سے نجات وسنتِ ابراہیمی کے احیاءوالی عبادت

''حج'' کے لفظی معنی ارادہ یا قصد کرنا کے ہیں،حج مذہب اسلام کے پانچ بنیادی ارکان: ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ میں شامل ہے، حج ایک مخصوص عبادت ہے جو اسلامی مہینہ ذوالحجہ کے خاص ایام میں ادا کی جاتی ہے جس میں احرام کا باندھنا، طواف کعبہ، قیام عرفات، صفا ومروہ میں دوڑ نا، شیطان کوکنکریاں مارنا اور جانور کی قربانی دینا ہوتا ہے۔

حج صاحب استطاعت یعنی حلال دولت کی مخصوص مقدار کے مالک پر ایک دفعہ فرض ہے۔

قرآن کریم میں واضح کیا گیا ہے کہ ''اور اللہ تعالیٰ نے استطاعت رکھنے والے لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض کردیا ہے'' اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ (اس سے بلکہ تمام دنیا سے بے پرواہ ہے) (آل عمران:97)

حج ایسی عبادت ہے جو مومنین کو بنیادی طور پر ''انسانی مساوات'' کا عملی سبق دیتی ہے جس میں بلا تفریق رنگ ونسل ایک ساتھ حج کے ارکان ادا کیے جاتے ہیں اور ایک ہی رنگ اور ایک ہی طرح کا لباس یعنی ''احرام'' پہنا جاتا ہے۔

حج مومنین کے ''اتحاد'' کا ثبوت دیتا ہے وہ اس طرح کہ دنیا بھر کے مختلف ممالک ومقامات سے سفر طے کرکے ایک ہی مرکز یعنی کعبۃ اللہ کے پاس جمع ہوتے ہیں، مزید مومنین دنیا میں کہیں بھی قیام پذیر ہوں ''اللہ کے گھر کعبہ کی طرف'' رخ کرکے نماز ادا کرتے ہیں ''جو ایک اللہ کو ماننے کا مظہر ہے''۔

حج کے سفر میں مختلف دقتوں کا سامنا ہوتا ہے اگرچہ کہ دور حاضر میں ہوائی جہاز کے ذریعہ چند گھنٹوں میں مکہ شریف اور پھر کعبۃ اللہ پہنچتے ہیں، سفر کے دوران بندہ کو صبر کیا متحان کا سامنا ہوتا ہے اور کعبۃ اللہ کے طواف کے دوران ایک دوسرے کو جسمانی تکلیف دیئے بغیر طواف کو مکمل کرنا ہوتا ہے جو ''خود غرضی'' سے دور رکھنے کا عمل ہے۔

یہ امر اظہر من الشّمس ہے کہ حج کے ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ مومن کے پچھلے گناہ معاف کردیتے ہیں جس کے نتیجہ میں انسان اس طرح پاک ہوجاتا ہے جیسا وہ ماں کے بطن سے پیدا ہونے کے وقت بے گناہ تھا۔سبحان اللہ۔

یہاں قابل ذکر وفکر یہ امر سامنے آتا ہے کہ اللہ کے احکامات کی نافرمانی پر عبادتِ حج کے ذریعہ اللہ تعالیٰ معافی دیتے ہیں پر کیا اس کے بندوں یعنی ماں باپ– رشتہ دار– پڑوسی اور دیگر انسانوں کو مختلف انداز سے تکلیف و نقصان پہونچانے اور زندگی کے معاملات جیسے تجارت و ملازمت میں دھوکہ دینے اور وراثت کا غبن کرنے کے عمل کو اللہ تعالیٰ معاف کریں گے یا پھر متعلقہ رشتہ دار وانسانوں سے شخصی معافی طلب کرنا لازمی ہے؟ اسلامی تعلیمات اور واقعات اس بات سے آگاہ کرتے ہیں کہ ان رشتہ دار و شخصیات سے شخصی معافی طلب کرنا لازم ہے اگر وہ معاف کریں گے تب ہی اللہ تعالیٰ معاف کریگا۔یہاں تاریخ اسلام کے اس واقعہ کا ذکر لازم ہوجاتا ہے کہ مالک بن دینارؒ

ضیا فاروقی

غزل

رہ گئی آدھی ادھوری سی کہانی میری
گم ہوئی دولت الفاظ و معانی میری

میں نہ عالم ہوں نہ عاقل نہ کوئی دانشور
ہاں، بھرم رکھے ہے اک چرب زبانی میری

حادثے اپنے مجھے خود ہی رقم کرنے ہیں
ورنہ لکھے گا یہاں کون کہانی میری

میں کہ ہر گام رہا پیکر اخلاص مگر
کام آئی نہ کبھی عجز بیانی میری

تم نے بھیجی ہے جہاں کی ابھی تصویر مجھے
دیکھ لو، ہوگی اسی گھر میں جوانی میری

میں کہ دریا ہوں مگر سامنے اک موڑ بھی ہے
روک لیتا ہے جو ہر بار روانی میری

اور کیا پیش کروں تم کو ضیا اس کے سوا
ورقِ سادہ ہے، رکھ لو یہ نشانی میری

حج پر تشریف لیجاتے ہیں اور اللہ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ان لاکھوں لوگوں کا حج قبول ہوا اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام کا حج قبول ہوا سوائے اس ایک ہارون بلقی کے، مالک بن دینارؒ اس شخص کے پہونچتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ کیا معاملہ ہے، اس پر ہارون اپنی ماں کے ساتھ کیے برتاؤ کا ذکر کرتے ہیں ماں ماہ رمضان میں روٹی پکارہی تھی مجھے روٹی دینے سے انکار پر نشہ کی حالت میں ماں کو تھپڑ مارا، اس پر مجھے کمرہ میں بند کردیا گیا اور جب دروازہ کھولا گیا تب میری ماں فوت ہوچکی تھی اور دفنا دیا گیا تھا۔ یہ اطلاع ملتے ہی میں نے اپنا ہاتھ کلہاڑی سے کاٹ دیا، اس کے بعد سے چوبیس سال سے حج کے لیے آرہا ہوں پر کوئی نہ کوئی حاجی مجھ سے ملاقات کرتے اور اطلاع دیتے ہیں کہ تمہارا حج قبول نہیں ہوا۔ حضور ﷺ مالک بن دینا کے خواب میں آکر اس بات سے آگاہ کرتے ہیں کہ وہ ماں محشر میں اپنے بیٹے کو معاف کرے گی اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے گی کہ اس کے بیٹے کو معاف کرے اور جنت میں داخل کرے۔ اس واقعہ سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جن سے نافرمانی وظلم کیا گیا ان ہی سے معافی طلب کرنا لازمی ہے تب ہی اللہ تعالیٰ معاف کریگا۔

لہٰذا حج جیسی عظیم عبادت کے ادا کرنے سے قبل عازمین حج کو چاہیے کہ جن انسانوں کے ساتھ غلطیاں وظلم کیا گیا ان سے شخصی معافی طلب کریں تا کہ اللہ تعالیٰ حج جیسی عظیم عبادت کو قبول کرتے ہوئے عازم حج کے پچھلے تمام گناہوں کو معاف کردے۔

مزید حج کی ادائیگی کے بعد جہاں ایک حاجی پچھلے گناہوں سے مکمل پاک ہوجاتا ہے وہیں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ پچھلے گناہ والے اعمال سے آخری سانس تک پرہیز کرے تاکہ آگے کی زندگی اعمال کے لحاظ سے پاک رہے اور بخشش کا ذریعہ بنے۔

''حرم میں 'میں' حاضر ہوا بن کے مُجرم:
یہ لبیک نعرہ لگاتا رہوں میں''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عازمین حج کو پہلے انسانوں سے اپنی غلطیوں کیلیے معافی طلب کرنے کی توفیق دے اور حج کو قبول کرتے ہوئے پچھلے گناہ معاف کرے اور آخری سانس تک پچھلے گناہوں کو دہرانے سے محفوظ رکھے اور تمام مومنین کو حج کرنے کی سعادت عطا کرے۔ آمین۔

مفتی محمد صادق حسین قاسمی

یکساں سول کوڈ مسلمانوں کو کیوں قبول نہیں؟

ہمارا ملک ہندوستان مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا گہوارہ ہے، رنگارنگ تہذیب اس کی خاصیت ہے، اور آزادی واختیار کے ساتھ ہر کسی کو اپنے مذہب وعقیدہ پر عمل آوری کی اجازت اس کا دستور دیتا ہے۔لیکن اس وقت اس ملک کی صورت حال کافی گھمبیر چل رہی ہے،ایک طرف سرحدوں پر تناؤ ہے جس کی وجہ سے ہر شہری بے چین اور بے قرار ہے،وطن کی حفاظت اور اس کی سالمیت کے لئے متفکر ہے،دوسری طرف مرکزی حکومت کے پیدا کردہ مسائل اور حالات ایسے ہیں کہ اندرون ملک بہت سے لوگ پریشان ہیں،اچھے دن کے بلند بانگ دعوؤں اور پرزور نعروں کی گونج میں اقتدار حاصل کرنے والے بہت جلد اس کی حقیقت کو بھول گئے اور نفرت کی سیاست کا بازار گرم کردیا،تشدد پسندوں کو کھلی آزادی مل گئی،نفرت کے سوداگر اپنے کاروبار میں مصروف ہوگئے،امن کے دشمن آگ لگانے میں منہمک ہوگئے،کمزور طبقات کو مختلف بہانوں سے نشانہ بنایا جارہا ہے،کبھی گاؤکشی کے نام پر بے قصوروں کو مار مار کر ہلاک کیا گیا تو کبھی گاؤرکھشک کا ڈھونگ رچانے والوں نے ظلم وزیادتی کا ننگا ناچ کھیلا اور اپنی درندگی کا کھلے عام مظاہرہ کیا۔مہنگائی نے عام افراد کو حیران کردیا۔

چوں کہ مرکزی حکومت کے ڈھائی سال پورے ہوچکے اور اب تک کوئی قابلِ تعریف کام انجام نہیں پائے اور نہ ہی مسائل حل کئے جاسکے،وعدوں کی تکمیل ہوسکی، بلکہ اس کے بجائے آئے دن حالات سخت سے سخت اور سنگین ہورہے ہیں۔نفرت پھیلانے والے اپنے زہر آلود بیانات کے ذریعہ تفرقہ مچانے میں لگے ہوئے ہیں،خوف و ہراس کا ماحول قائم کرکے شہریوں کو ڈرا سہا رکھا جارہا ہے،اب اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے اور حکومت کو موردِ الزام بننے سے پہلے مرکزی حکومت نے ایک نیا شوشہ ''تین طلاق'' کے خلاف چھوڑدیا اور اسے غلط قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف عدالت میں حلف نامہ بھی داخل کردیا۔

طلاق کو بہانہ بناکر دراصل یہ شریعتِ اسلامی کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں،تاکہ ''یونیفارم سول کوڈ'' نافذ کیا جاسکے،اور اس کے ذریعہ مذہبی آزادی اور عمل آوری کے اختیارات سلب کرلئے جائیں اور سب کو ایک رنگ میں رنگ دیا جائے،یقیناً یہ حکومت کا بہت ہی خطرناک اقدام ہے،وہ اس کے ذریعہ اپنی دیرینہ آرزو پورا کرنا چاہتی ہے کہ مسلمان اپنے تشخص اور امتیاز کے ساتھ نہ رہ پائیں اور وہ بھی یکساں سول کوڈ کے زمرہ میں آجائے۔ یکساں سول کوڈ کی حقیقت کو ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے،مسلمانوں کو یہ کیوں قابلِ قبول نہیں ہے؟اس کے دفاع اور شریعت کے تحفظ کے لئے کیسی کیسی کوشش اور جدوجہد کی گئی ہے ہمیں بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

ملک میں رائج قوانین کی دو اہم قسمیں، سول کوڈ (CODE CIVIL) اور کریمنل کوڈ (CRIMINAL CODE) کہلاتی ہیں، جس کے لئے اردو میں بالترتیب ضابطہ ''دیوانی'' اور ''فوج داری'' کی اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں۔ دوسری قسم ضابطہ فوجداری کے اندر جرائم کی سزائیں، اور بعض انتظامی امور سے متعلق قوانین آتے ہیں، مثلاً کسی جرم پر کیا سزا دی جائے گی اور مجرم کے لئے کیا اصول وضوابط ہوں گے اور انتظامی طور پر کس قسم کے اقدامات حکومت کرے گی؟ پہلی قسم سول کوڈ کے دائرہ میں وہ تمام قوانین آتے ہیں جن کا تعلق معاشرتی، تمدنی امور سے ہے۔ البتہ اس قسم کے ایک حصہ میں جسے ''پرسنل لا'' کہا جاتا ہے اس میں ملک کی بعض اقلیتوں کو ان کے مذہب کے لحاظ سے کچھ خصوصی شعبوں میں الگ قوانین پر عمل کرنے کا اختیار دے دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو ملک کے دستور میں یہ حق دیا گیا ہے کہ نکاح، طلاق، ایلا، ظہار، خلع، مباراۃ (خلع ہی ایک شکل، فسخ نکاح، عدت، نفقہ، وراثت، وصیت، ہبہ، ولایت، رضاعت، حضانت، وقف (خیراتی اور غیر خیراتی دونوں) سے متعلق مقدمات اگر سرکاری عدالتوں میں لے جائیں اور دونوں فریق مسلمان ہوں تو سرکاری عدالتیں اسلامی شریعت کے مطابق ہی مذکورہ معاملات میں فیصلے کریں گی، ان قوانین کا مجموعہ ''پرسنل لا'' کہلاتا ہے۔ (یونیفارم سودل کوڈ مسلم پرسنل لا اور عورت کے حقوق: 14)

ہندوستان میں ''یونیفارم سول کوڈ'' کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کو اپنی مذہبی ہدایات کے خلاف نکاح وطلاق جیسے معاملات انجام دینا ہوں گے، وصیت اور وراثت کے معاملہ میں بھی انہیں مذہبی قانون کے بجائے دوسرے قوانین پر عمل کرنا ہوگا، اسی طرح دوسرے مذہب اور رسم ورواج کے پابند لوگوں کو بھی اپنا مذہب چھوڑنا ہوگا، اپنے رواج کو مٹانا ہوگا، اور نئے قانون کا بندھ ہونا پڑے گا۔ اس طرح یونیفارم سول کوڈ واضح طور پر ''مسلم پرسنل لا'' سے مختلف ایک قانون ہے۔ جس کے نفاذ کے بعد ''مسلم پرسنل لا'' کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، گویا مسلم پرسنل لا جس کی بنیاد قرآن وسنت ہے اور یونیفارم سول کوڈ کو یکجا نہیں کیا جاسکتا۔ (یونیفارم سول کوڈ: 6) مولانا عبد الرحیم قریشی صاحب مرحوم (اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) یکساں سول کوڈ کی حقیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''پرسنل لا کے معاملات میں کسی اور قانون پر چلنے کے لئے مسلمانوں کو کہنا یا مجبور کرنا ارتداد کی دعوت نہیں تو کم از کم مذہبی احکامات کی کھلی خلاف ورزی کی دعوت ضرور ہے، بے شک کوئی مسلمان ایسی دعوت قبول نہیں کرسکتا، ۔۔۔۔۔۔ اس بات کو ذہن نشین رکھئے کہ ایک کثیر مذہبی، کثیر لسانی، اور کثیر تمدنی ملک میں جس کا رقبہ اور آبادی ذیلی براعظم کی نوعیت رکھتا ہو یونیفارم سول کوڈ کا نفاذ نقصان دہ ہوگا۔

حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے اس بات کو محسوس کیا جانا چاہیے کہ اتحاد اور ہم آہنگی کی بنیاد دراصل اپنائیت کا احساس ہے اور یہ احساس اس اعتماد سے پیدا ہوتا ہے کہ میرے ملک میں میری کسی عزیز شئی، میرے تمدن، میری شناخت اور میری پہچان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے، مختلف شناختوں کو تسلیم کرنے سے قوی یکتائی، ہم آہنگی اور اتحاد کو قوت ملے گی، کسی یونیفارم سول کوڈ کو مسلط کرنے کے نتیجے میں محرومی اور عدم تحفظ کے جذبات ابھریں گے جو ملک

کے اتحاد اور یک جہتی کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں۔

''یونیفارم سول کوڈ'' کی مسلمان کیوں مخالفت کرتے ہیں اس کے اسباب بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ رقم طراز ہیں:

مسلمان یونیفارم سول کوڈ کے مخالف ہیں، ہندوؤں کا مذہبی طبقہ بھی اس سے اتفاق نہیں رکھتا۔ مسلمانوں کے اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ''یونیفارم سول کوڈ'' مذہبی تعلیمات سے متصادم ہے، اس کے نفاذ کے بعد عائلی اور شخصی میں زندگی قرآن و سنت کی ہدایات سے دست بردار ہونا پڑے گا، اور ایک ایسے قانون کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا پڑے گا جس کے نتیجہ میں مذہب کی مقررہ حدیں مٹ جائیں گی اور فرد کی شخصی زندگی سے حلال وحرام کا وجود ختم ہوجائے گا، مسلمان اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ وہ ان قوانین کے ذریعہ اپنی عائلی اور شخصی معاملات و مسائل کا حل نکالیں جن کا ہر قدم پر مذہب سے ٹکراؤ ہوتا رہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے کچھ تہذیبی امتیازات ہوتے ہیں جن کا تعلق بڑی حد تک ''پرسنل لا'' سے ہوا کرتا ہے۔ بعض مذاہب کے یہ امتیازات مذہبی تعلیمات کی بنیاد پر نہیں بلکہ رسم ورواج اور جغرافیائی حالات کے ماتحت ہیں، مسلمانوں کے بھی تہذیبی امتیازات ہیں جن کی بنیاد مذہبی تعلیمات پر ہے، مسلمان آمادہ نہیں کہ وہ تہذیبی امتیازات سے دست بردار ہوں۔ (یونیفارم سول کوڈ: 17)

غرض کہ حکومت کا یکساں سول کوڈ کا منصوبہ اس ملک کی پرامن فضا، خوشگوار ماحول، اور آپسی خلوص ووفا کے لئے نہایت نقصان دہ ہے، اس کی وجہ سے اتحاد پارہ پارہ ہوگا، ملک کی رنگارنگ تہذیب متاثر ہوگی اور یکساں سول کوڈ صرف مسلمانوں کے حد تک محدود نہیں رہے بلکہ اس کے ضمن میں دیگر مذاہب اور تہذیبیں بھی آئیں گی اس طرح اس ملک کی خوشنمائی بگڑ جائے گی، دوسروں کے لئے کچھ بھی ہو لیکن مسلمان کبھی اس کے نفاذ کو قبول نہیں کرے گا کیوں کہ یہ اس کی شریعت اور اسلام پر حملہ ہے اور اس کے اختیارات اور آزادی کو ختم کردینا ہے۔

لہٰذا حکومت کے اس اقدام کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے ملک کے مسلمانوں کی نمائندہ اور متحدہ تنظیم ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' نے لا کمیشن کے سوالنامہ کے بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے اور کسی بھی صورت حکومت کا شریعت اسلامی میں مداخلت کرنا ناقابلِ برداشت قرار دیا ہے، مسلمان اپنے دستوری حق کے ساتھ اپنی شریعت اور اپنی تعلیمات پر عمل کریں گے اگر حکومت مسلمانوں کے خلاف سازش کرتی ہے تو یہ اس کے بدباطن ہونے کی علامت ہے اور اسلام و مسلمانوں سے دشمنی کے برابر ہے۔ مرکزی حکومت ملک کی خیرخواہی کے بجائے اس کی ہمہ رنگ تہذیب کے خلاف جارہی ہے اور اپنی ناکامیوں کو چھپانے اور اپنے منصوبہ بند سازشوں کو بروئے کار لانے کے آئے دن ایسے شوشے چھوڑتی ہے، اس صورت میں ہمیں اپنے اکابرین اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے قائدین کے فیصلوں ساتھ پوری فکرمندی اور مستعدی کے ساتھ لگے رہنا چاہیے۔

☆☆☆

مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی۔ ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ

نعت، ہندو نعت گو شعراء اور پنڈت ہری چند اختر

نعت کے معنی ہیں کسی شخص میں موجود خوبیوں کو بیان کرنا اور اردو شاعری کی اصطلاح میں نعت وہ نظم ہے جس میں رسول اقدس ﷺ کی حیات مقدسہ وسیرت، شمائل وخصائل کو عقیدت ومحبت وعدل سے بیان کیا جائے، نعت شاعری کی وہ صنف ہے جس میں تخیلات کی پرواز افراط وتفریط سے پاک اور مبرا ہو ورنہ گمراہی وگستاخی مقدر ہوجائے گی، رب العالمین نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر رحمۃ اللعالمین کے اخلاق حسنہ کا تذکرہ کیا ہے، آپ ﷺ کو بشیر ونذیر، خاتم النبیین، طٰہٰ، یٰسین وغیرہ کے القاب سے نوازا ہے تو کہیں یا ایھا المزمل یا ایھا المدثر کے خطاب سے بھی عظمت بخشی ہے، نام نامی اسم گرامی، محمد، اور احمد ﷺ میں نعت کی بلیغ معنویت موجود ہے، آپ ﷺ کے اصحاب نے محبت وعقیدت کے وہ گل نچھاور کئے ہیں کہ اس آسمان کے نیچے اور زمین پر ایسی عقیدت ومحبت کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ انھیں میں جن کو شعروشاعری سے دلچسپی تھی تو ان لوگوں نے خدمتِ اقدس میں شاعری کے ذریعہ نذرانہ عقیدت پیش کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت حسانؓ بن ثابت، لبید بن ربیعہ، کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن زبیرؓ کے نام قابل ذکر ہیں، عہد رسالت میں مذکورہ بالا شعراء نے حضور ﷺ کے خصائل وکمالات، اخلاق وعادات، شخصیت وکردار کے ساتھ دیگر اوصاف حمیدیہ کی حقیقی تصویریں اپنی شاعری میں بزبان عربی پیش کرتے رہے اور بعض لوگوں سے حضور ﷺ نے نعتیہ اشعار کی سماعت بھی فرمائی ہے، حضرت حسان بن ثابتؓ کے نعتیہ کلام کے دو مشہور شعر ملاحظہ فرمائیں:

واحسن منک لم تر قط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرّأ من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

ترجمہ: آپؐ سے زیادہ حسین وجمیل چہرہ آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا، آپؐ سے اچھا اور برتر انسان کسی عورت نے کبھی نہیں جنا، آپؐ ہر عیب سے مبرّا ہو کر اس دنیا میں تشریف لائے ہیں، گویا کہ آپؐ اپنی منشا کے مطابق پیدا کئے گئے ہیں، حضور پرنور ﷺ کے وصال کے بعد حدود اسلامیہ کی توسیع ہوئی اور روم وفارس بھی خلافت اسلامیہ میں شامل ہوگیا تو عربی نعتیہ شاعری، فارسی میں داخل ہوگئی، فارسی شعراء نے بھی اس صنف پہ خاص توجہ دی اور تہہ دل سے اخلاص وعقیدت کے پھول نذر کئے، خاقانی، فردوسی، نظامی، جامی، عطار، رومی سنائی، عرفی، فیضی، نظیری، قدسی اور ظہوری وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، شیخ سعدی نے فارسی کے علاوہ عربی میں بھی امام الانبیا ﷺ کی شانِ اقدس میں نعت کہی ہے اور ایک قطعہ نعتیہ شاعری میں بلند پایہ اور زبان زد ہے۔

بلغ العلی بکمالہ
کشف الدُجی بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلو علیہ وآلہ

یعنی آپؐ اپنے کمالات سے بلندیوں پر پہنچے، آپؐ نے اپنے حسن و جمال سے تاریکیوں کو دور کیا، آپؐ کی ساری خصلتیں انتہائی عمدہ ہیں، لوگو! آپؐ اور آپؐ کی آل اولاد پر درود وسلام بھیجو، نعتیہ شاعری میں حافظ شیرازی کا یہ فارسی شعر اپنی مثال آپ ہے۔

حسن یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور ایسی ہی علامہ جامی کا ذیل قطعہ نعتیہ دیوانوں پر بھاری ہے۔

یا صاحب الجمال ویا سید البشیر
من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یعنی: اے صاحبِ جمالؐ اور اے سارے انسانوں کے سردارؐ روشن کرنے والے نے آپ کے روئے روشن سے چاند کو منور کیا، اللہ پاک کی حمد وثنا ان کی شان کے مطابق ہمارے حدِّ امکان سے باہر ہے اور اللہ پاک کے بعد اے محمدﷺ سب سے بزرگ تو آپؐ ہی ہیں۔

اردو میں نعتیہ شاعری، فارسی نعتیہ گوئی کے اثر سے داخل ہوئی، نعتیہ نظم اردو میں علاحدہ بھی لکھی جاتی ہیں اور مثنوی اور قصائد میں بھی حمد کے بعد نعت ایک حصہ کے طور پر بھی شامل کی جاتی ہیں، قدیم شعراء میں جنوبی ہند کے حضرت سید محمد حسینی جو خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے نام سے مشہور ہیں کے یہاں حمد و نعت کا تذکرہ ملتا ہے، سلطان محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ، غواصی، بلاقی، طبعی، ولی، فراقی، نامی اور نصرتی وغیرہ کے یہاں مثنوی، قصائد کی ہیئت میں نعتیہ شاعری کا خاصہ ذخیرہ ملتا ہے اور جنوبی ہند کے شعراء نے واقعہ معراج کو بڑے دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے، شمالی ہند کے شعراء متقدمین ومتوسطین، سودا، میر تقی میر، انشاء، ذوق، غالب، مومن، ظفر، میر حسن، نظیر اور داغ وغیرہ کے یہاں عمدہ نعتیں پائی جاتی ہیں جو بیشتر قصائد کے فام میں ہیں، میر حسن کی مثنوی سحر البیان کے نعتیہ اشعار بطور مثال ملاحظہ فرمائیں:

نبی کون؟ یعنی رسول کریم
نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم

☆

کیا حق نے نبیوں کا سردار اُسے
بنایا نبوت کا حق دار اسے

☆

بنایا سمجھ بوجھ کر خوب اسے
خدا نے کیا اپنا محبوب اسے

☆

کروں اس کے رُتبہ کا کیا میں بیاں
کھڑے ہوں جہاں باندھ صف مرسلاں

☆

محمدؐ کے مانند جگ میں نہیں
ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں

متاخرین کے عہد میں تقریباً ہر چھوٹے بڑے مسلم اور غیر مسلم شعراء نے نعتیں کہی ہیں، ان میں حالی، اکبر، شاد، اصغر، امیر مینائی، آسی، امام احمد رضا خاں، ظفر علی خاں، اقبال، جوش، حفیظ جالندھری، بہزاد لکھنوی، ماہر القادری،

حسرت موہانی، محسن کاکوروی وغیرہ کو نعتیہ شاعری کے میدان میں امتیازی حیثیت حاصل ہے، مسدس حالی کے نعتیہ اشعار زبان زد خاص و عام ہیں۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی برلانے والا

☆

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اردو شاعری میں نعت گوئی ایک ایسی شیریں اور دلنشیں صفت ہے کہ جس میں مسلم شعراء کے ساتھ ساتھ ہندو اور غیر مسلم شعراء بھی ساتھ ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں انہیں نبی رحمت سے والہانہ وابستگی اور پر خلوص عقیدت ہے کہ جنہیں کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس باب میں جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو انٹرنیٹ کے ذخیرے اور لائبریوں میں مختلف جہات سے مضامین اور کتابیں سامنے آتی ہیں اس ضمن میں نور احمد میرٹھی کی ضخیم کتاب ''بہر زماں بہر زباں'' بڑی اہمیت کی حامل ہے جس میں انہوں نے تین سو سے زائد غیر مسلم شعراء کی نعتیہ شاعری کا تعارف اور تذکرہ کیا ہے۔

پروفیسر جگن ناتھ مذکورہ کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''ایک ہندو شاعر یا کوئی غیر مسلم شاعر حضور اکرم ﷺ کی شان میں نعت کہتا ہے تو اپنا کوئی بندھا ٹکا مذہبی فریضہ ادا نہیں کرتا ہاں اس بات کا اظہار اس سے ضرور ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے مذہب کا پابند ہوتے ہوئے بھی پیغمبر اسلام کی شان میں نعت کہہ رہا ہے تو گویا وہ اس نکتے کی وضاحت کر رہا ہے کی اپنے مذہب کے ساتھ ہی ساتھ دوسروں کے مذاہب اور بانیان مذاہب کا احترام بھی ضروری ہے اور آج دنیا کو اسی ضابطہ اخلاق کی ضرورت ہے۔ دنیا اس وقت تنگ نظری، تنگ خیالی اور تعصب کے پھندے میں گرفتار ہے۔ عملی طور پر لوگ مذہب سے بیگانہ ہو رہے ہیں اور مذہب کے نام پر فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے ہر لحہ تیار رہتے ہیں اس لیے اس بات کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ شعراء اور دوسرے حضرات سامنے آئیں اور دوسرے مذاہب کے بارے میں ان کے بانیوں کے بارے میں وسیع المشربی کے ساتھ نظم و نثر میں اپنے خیالات کا اظہار کریں''

اس مختصر مقالے میں ہندو چند اہم نعت گو شعراء اور پنڈت ہری چند اختر کا تعارف اور انکی نعتیہ شاعری میں کس طرح محبت اور چاہت کی کسک ہے اسے پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

(پ) ایک جنوری ۱۸۶۴ء (وفات) ۱۳ر مئی ۱۹۴۰ء میں حیدرآباد کے سورج بنسی راجاؤں کے اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم آصف جاہی خاندان کے بچوں کے ساتھ ہوئی۔ خداداد صلاحیتوں اور کام میں دھنی ہونے کی وجہ سے انھیں ۱۹۰۳ء میں ریاست آصفیہ کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ انھیں سلطنت آصفیہ سے راجہ بہادر،

یمین السلطنت، راجہ راجایان بھارت بھوشن وغیرہ کے خطاب سے نوازہ گیا انہوں نے ہندو اور مسلمان دونو ہی مذہب کی عورتوں سے شادیاں کیں وہ ہندو اور مسلمان دونو ں کو یکساں عزیز رکھتے تھے۔ انہیں کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا مثلاً اردو، عربی، فارسی، سنسکرت، جنوبی ہند کی زبانیں اور انگریزی زبان میں بھی ماہر تھے، وہ شاعر پرست اور ادب نواز ہی نہیں تھے۔ بلکہ خود بہترین نثر نگار اور شاعر تھے نثر میں لگ بھگ ان کی ۷۰ کتابیں موجود ہیں۔ جس میں سے کچھ عدم دستیاب ہیں۔ شاعری میں قصائد، غزلیں، حمد، نعت، منقبت، قطعات، رباعیات وغیرہ ان کے اشعار میں ایک روحانی کیف وسرور کا جذبہ پوشیدہ ہے۔ جو حال قال کی لذتوں میں شرابور ہے۔

ان کی مشہور نعت ملاحضہ فرمائیں:

ﷺ

مدینے کو چلو دربار دیکھو
رسول اللہ کی سرکار دیکھو
نظر آتی ہے واں شان خدائی
درو دیوار کے انوار دیکھو
زمیں پر دیکھ لو خلد بریں کو
پھلا پھولا ہوا گلزار دیکھو
اگر مومن ہوں یا کافر، تمہیں کیا؟
مرا اللہ ہے غفار دیکھو
خدا کو جانتا ہوں دل سے واحد
کہ وحدت سے نہیں انکار دیکھو
فدا یوں نام احمد مصطفیٰ پر
وہ بیشک ہیں مرے سردار دیکھو

کیا ادنیٰ سے اعلیٰ اسنے اے شاد
یہ شان حضرت جبار دیکھو

(مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد)

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی (پ ۱۳؍ دسمبر ۱۸۶۶ء وفات یکم نومبر ۱۹۵۵ء) دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا تخلص کیفی تھا، صغرسنی میں ان کے والد کنہیا لال کا انتقال ہوگیا، انہوں نے اپنے شوق اور محنت سے علم حاصل کیا، آپ کا شمار اعلیٰ ادیبوں اور شاعروں میں ہوتا ہے، وہ صلح کل مرنجاں مرنج، خوش اخلاق، ملنسار اور بے تعصب تھے، ان کے نام کی کئی نثری تصانیف ہیں، شاعری میں ان کا دیوان ''واردات'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، وہ اصل غزل کے شاعر ہیں لیکن انہوں نے محبت رسول ﷺ میں ڈوب کر نعتیہ شاعری کی ہے۔ ان کی ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں؛

ہو شوق نہ کیوں نعت رسول دوسرا کا
مضموں ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا
تھی بعثت محمود خداوند کو منظور
تھا پھل وہ بشارت کا نتیجہ تھا دعا کا
پہنچایا ہے کس اوج سعادت پہ جہاں کو
پھر رتبہ ہو کم عرش سے کیوں غار حرا کا
معراج ہو مومن کو نہ کیوں اس کی زیارت کا
ہے خلد بریں روضۂ پر نور کا خاکا
دے علم ویقیں کو مرے رفعت شہ عالم
نام اونچا ہے جس طرح حرا اور صفا کا
یوں روشنی ایماں کی دے دل میں کہ جیسے
بطحا سے ہوا جلوہ فگن نور خدا کا

ہے حامی وممدوح مرا شافع عالم
کیفی مجھے اب خوف ہے کیا روز جزا کا

ان نعتیہ اشعار میں صنف نعت کی پوری خدوخال موجود ہے جو غلو اور افراط سے پاک ہے۔جس میں ایک غیر مسلم کے تخیلات کی محبت رسول سے بھری ہوئی پرواز دکھائی دیتی ہے۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد پ ۵/دسمبر ۱۹۱۸ء وفات ۲۴/جولائی ۲۰۰۴ء کو عیسی خیل ضلع میانولی میں پیدا ہوئے، جواب پاکستان میں ہے ان کے والد تلوک چند محروم اردو کے مشہور شاعر تھے، انکی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی ۱۹۴۴ء میں جامعہ پنجاب لاہور سے فارسی میں ایم اے کیا تقسیم ہند کے بعد آزاد ارکان خاندان کے ساتھ ہندوستان آیے اور دہلی میں بس گئے۔ پبلی کیشنز ڈویژن میں اردو کے اسسٹنٹ ایڈیٹر بنے، اور یہیں پر انہیں جوش ملیح آبادی اور پنڈٹ ہری چند اختر وغیرہ جیسی شخصیات کی مصاحبت ملی۔ ۱۹۷۷ء میں جموں یونیورسٹی میں پروفیسر، اور صدر شعبہ اردو کی پیش کش ہوئی تو انہوں نے منظور کرلیا۔ان کے دو شعری مجموعے "طبل وعلم" بیکراں کے نام سے شائع ہوئے۔ان کی شاعری کے ذخیرے میں نعتیں ملتی ہیں جس سے ان کی فکر کا پتہ چلتا ہے ان کی نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

سلام اس ذات اقدس پر سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر جو آیا رحمت للعالمیں بن کر
پیام دوست لے کر صادق الوعد وامیں بن کر
سلام اس پر کہ جس کے نور سے پر نور ہے دنیا
سلام اس پر کہ جس کے نطق سے مسحور ہے دنیا
سلام اس پر فقیری میں نہاں تھی جس کی سلطانی
کیا پامال جس نے فرق کسری و خاقانی
سلام اس ذات اقدس پر حیات جاودانی کا
سلام آزاد کا آزاد کی رنگیں بیانی کا

ان نعتیہ اشعار میں آزاد نے ذات رسول اور صفات رسول کو سلام پیش کرتے ہوئے شاعری کے لطیف پیرائے میں پیش کیا ہے۔

پنڈت ہری چند اختر (۱۹۰۱ء-۱۹۵۸ء) اردو کے غزل گو شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔وہ نثر نگار اور صحافی بھی تھے۔انہیں فارسی اور انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا۔ان کی ابتدائی تعلیم ہوشیار پور پنجاب میں ہوئی، میٹرک کے بعد منشی فاضل کا امتحان پاس کیا، اور پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی، انہوں نے پارس لاہور کی ایک طویل مدت تک ادارت کی جس کے مالک لالہ کرم چند تھے، پاکستان کے قیام کے بعد وہ دہلی منتقل ہوئے۔ان کا ایک مجموعہ "کفر وایمان" کے نام سے موجود ہے، جس میں سادگی منفرد ہے، طنز میں نشیب وفراز ہے، اللہ اور خدا کا لفظ بار بار تعریف کرتے ہوئے، سوال کرتے ہوئے اور اقبال کے شکوہ کی طرح شکایت کرتے ہوئے غزلوں میں نظر آتے ہیں، اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اردو شاعری کے لیے ندرت سے کم نہی ہے۔ پنڈت ہری چند اختر کو ہندو نعت گو شعراء میں بلند حیثیت حاصل ہے، ان کی دو نعتیں ملاحظہ فرمائیں:

نعت رسول مقبول ﷺ (۱)

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا

پروفیسر مظفر شہ میری حیدرآباد

غزل

اقرار کے رشتے ہیں نہ انکار کے رشتے
تا عمر رُلاتے ہیں یہ بے کار کے رشتے
بن جاتے ہیں آخر کو وہ سب پیار کے رشتے
آغاز میں ہوتے ہیں جو تکرار کے رشتے
کیوں ساتھ لیے جاتے ہو تم اپنے گھروں تک
بازار ہی میں چھوڑ دو بازار کے رشتے
پھر لوٹ کے آئی ہے وہ پھولوں کو منانے
خوشبو نے کہاں توڑے ہیں گلزار کے رشتے
جلدی نہ کرو دیر سے آتے ہیں سمجھ میں
احسان کے اخلاق کے اقدار کے رشتے
تا عمر غریبی میری بیٹھی رہی گھر میں
ٹھکرا دیے اُس نے کئی زردار کے رشتے
اَنشا کی طرح تم نہ بہک جانا مظفر
بازار میں لے آتے ہیں دربار کے رشتے

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اس کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا
شوکت مغرور کا کسی شخص نے توڑا طلسم
منہدم کس نے ابھی قصر کسری کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا
آدمیت کا غرض سامان مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

نعت رسول کریم ﷺ (۲)

حاصل گیتی نانوشت آدم صلی اللہ علیہ وسلم
ختم رسل سرمایہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
روح محبت جان عنایت علم سراپا رحمت عالم
پیکر شفقت افق مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
وجہ فروغ بزم ہدا بھی آب روئے گلزار صفا بھی
خود ہی سورج خود ہی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم تیری صدواز
تیری صدا آواز زمانہ تیرا نفس ہے ساز زمانہ
تجھ سے بلند انسان کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم
تیرے ساتھی پھول کی خوشی ہو تیرے صحابہ چاند کی کرنیں
اور تو ہے ان سب سے مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
گیسو کیر گلشن گلشن عارض عارض محفل محفل
جلوہ جلوہ عالم عالم صلی اللہ علیہ وسلم
اول و آخر مند ہی بیند و اول و آخر آقا ہی آقا
عبد مکمل سرور اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
صبح ازل سے شام ابد تک تیرا نبی چرچا تیرے ہی جلوے
تو ہے محیط ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
تیری لگن کے سائے سائے اپنے دربار تک اختر
روز جزا کا اب اسے کیا غم صلی اللہ علیہ وسلم

ان کا نعتیہ کلام ورفعنا لک ذکرک اور رحمت اللعالمین کی تفسیر کر رہا ہے جس میں اقبال، اقبال سہیل، حفیظ جالندھری کی جھلک دکھائی دیتی ہے جسے مذکورہ دونوں نعتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

روحینہ فاطمہ سحر۔ پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد

قرۃ العین حیدر اُردو ادب کا زریں باب

قرۃ العین حیدر کا نام افسانوں کے ساتھ ساتھ اُردو کی ممتاز ناول نگاروں میں شمار ہوتا ہے۔ ان کے تمام ناول آزادی کے بعد لکھے گئے ہیں، آزادی کے بعد ملک کی مشترکہ تہذیب جو صدیوں سے ظاہری پہچان تھی، اُس کو زبردست دھکہ لگا جس کو انہوں نے اپنے پہلے شاہکار ناول ''میرے بھی صنم خانے'' میں پیش کیا ہے۔ جو ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا، اُن کا ایک اور ناول ''سفینۂ غم دل'' جو ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا جس میں لکھنؤ کے تہذیبی ماحول کو پُر اثر انداز میں پیش کیا گیا --- جیسا کہ قرۃ العین حیدر کے نام کے ساتھ ہی آگ کا دریا'' کا نام بھی قاری کے ذہن پر دوڑنے لگتا ہے۔ اس ناول کے بعد ہی قرۃ العین حیدر کو بھی پاکستان سے ہجرت کر کے ہندوستان منتقل ہونا پڑا ''آگ کا دریا'' اس ناول میں ہندوستان کی ہزاروں سال کی تاریخ کو علامتی انداز سے چند سو صفحات میں اسیر کر لیا ہے، ہر تاریخی دور میں کچھ نہ کچھ وجوہات، حالات، وسائل، مسائل، انتشار ترقی زوال سب کچھ موجود رہتا ہے، ہندوستان میں بھی جب تہذیبی زندگی میں بنیادی تبدیلیاں ہوئیں اُن کو پیش کرنے میں قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری کا فن بھی نقطۂ عروج پر نظر آتا ہے۔ اُنہوں نے ایک اور ناول ''آخری شب کے ہم سفر'' ۱۹۷۱ء میں جنگ کے دوران جو مختلف تحریکیں چل رہی تھیں اُنہیں پیش کرتے ہوئے لکھا گیا ہے اور خاص کر اُن لوگون کا ذکر کیا گیا ہے جو تشدد کے ذریعہ آزادی حاصل کرنا چاہتے تھے۔

قرۃ العین حیدر نے پہلی کہانی چھ برس کی عمر میں لکھی تاہم یہ کہانی کہیں شائع نہیں ہوئی۔

اُن کی ابتدائی زندگی پورٹ بلیر جزائر انڈیمان میں گزر ہی اور ابتدائی تعلیم انہوں نے دہرہ دون میں حاصل کی، پھر وہ لکھنؤ کے مشہور ازبیلا تھوبرن کالج میں داخل ہوئیں اور وہیں سے بی۔اے، کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد وہ لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۹۴۷ء میں انگریزی میں ایم۔اے، کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے گورنمنٹ اسکول آف آرٹس لکھنؤ اور ہیڈ میز اسکول آف آرٹس لندن میں تعلیم پائی، اس طرح قرۃ العین حیدر نے اپنے تعلیمی سلسلے کو جاری رکھا۔

قرۃ العین حیدر کی کہانیوں کی باضابطہ اشاعت رسالہ ''پھول'' لاہور میں بچوں کے صفحہ میں ''بی چوہیا'' کے نام سے ہوئی۔ پھر یہ باتیں'' ۱۹۴۲ء میں رسالے ہمایوں میں شائع ہوئی۔ زندگی کے بیس بائیس سال قرۃ العین حیدر نے اودھ کے جاگیردارانہ ماحول کے اعلیٰ طبقے کی تمام آسائشوں کی پُر تکلف اور خوبصورت دنیا میں گذارے جس کا عکس اُن کے بیشتر افسانوں میں ملتا ہے۔ ساتھ ساتھ اُن کے افسانوں میں آزادی کے بعد کے سیاسی حالات، امیر طبقہ اور غریب طبقہ معاشی اعتبار سے جو فرق تھا اُس کو بھی واضح کیا اور اپنے

علاقے کی تہذیب وزبان کوافسانوں میں زیادہ جگہ دی ہے۔
اُن افسانوں کی وجہ سے اُس علاقے کی زبان اورتہذیبی زندگی کا پہلونمایاں ہوتانظر آتا ہے۔مس حیدر نے اپنے افسانوں میں انگریزی الفاظ کا بھی کثیر استعمال کیا ہے، انہوں نے اُردوافسانوں کونئی روش دی اور فکشن میں اضافہ کیا۔ماضی کے حالات ۱۹۵۰ یعنی تقسیم نے ملک کے مشترکہ تہذیب پرکاری ضرب لگائی تھی۔اس کا ذکر بھی مس حیدر کے افسانوں میں خاص طور سے ملتا ہے۔تقسیم ملک کے بعد وہ کچھ مدت تک پاکستان میں سکوت پذیر رہیں۔۱۹۵۰ء میں وہ پاکستان کی وزارت اِطلاعات ونشریات میں انفارمیشن آفیسر مقرر ہوئیں اورلندن میں پاکستانی ہائی کمیشن میں پیریس اپلچی کی حیثیت سے بھی تعینات رہیں، وہ ڈاکیومنٹری فلموں کے پروڈیوسر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیت رہیں۔ کچھ دنوں انھوں نے پاکستان ایئر لائینز میں بھی کام کیا۔اُس کے بعد وہ کچھ تنازعات کی وجہ سے ہندوستان آ گئیں۔
۶۸-۱۹۶۴ء کے دوران وہ امپرنٹ بمبئ کی کیریئر ایڈیٹر رہیں۔ ۸۶۹۱ سے ۱۹۷۵ء کے دوران وہ مشہور انگریزی ہفتہ وار السٹریئڈ ویکلی آف انڈیا کی مدیر معاون رہیں۔ وہ سنٹرل بورڈ آف فلمز سے بھی منسلک رہیں۔۱۹۶۵ء میں انھیں افسانوں کے مجموعے ''پت جھڑ کی آواز'' پر ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ دیا گیا۔۸۲-۱۹۸۴ء میں شعبۂ اُردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں وزیٹنگ پروفیسر رہیں۔ ۱۹۸۴ء میں پدم شری اور غالب ایوارڈ سے نوازا گیا۔۱۹۹۰ء میں انھیں ان کی ادبی خدمات پر ہندوستان کا سب سے بڑا اعزاز گیان پیٹھ ایوارڈ دیا گیا۔
قرۃ العین حیدر کی افسانہ نگاری کا باضابطہ آغاز اس وقت ہوا جب بیسویں صدی کی دنیا میں کئی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔غالب کے مشہور شعر کی طرح

یاد ماضی عذاب ہے یارب　　چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

لوگ تقسیم ملک کی بربریت ناعاقبت اندیشوں کی کارفرمائیوں سے مایوس ہو چکے تھے۔قرۃ العین حیدر نے زمانہ کی روش کو اپنی دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتے ہوئے اپنے احساسات،تخیلات، تجربات کو زور قلم سے مختلف افسانوی تحریروں میں اپنے الفاظ کو چوٹیوں کی طرح پروتے چلے گئے۔ رومانوی افسانوں کے ساتھ ساتھ زندگی کی حقیقت کو مختلف نظریات وزاویوں سے جانچتے پرکھتے بیباکانہ انداز میں ضبط تحریر میں لاتے ہوئے اُردو افسانہ نگاری میں تاریخ بنا چکے۔جب قاری مس حیدر کی تحریروں کا بغور مطالعہ کرتا ہے تو اُس کے ذہن میں شعور کی وہ رو دوڑنے لگتی ہے جو قرۃ العین کا خاصہ ہے۔
آیئے اب ہم مس عینی کے افسانوی مجموعوں کے سفر کا جائزہ لیتے ہیں۔اُن کا پہلا افسانوی مجموعہ ''ستاروں سے آگے'' ۱۶ افسانوں پر مشتمل ہے۔جو ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا، یہ جدید افسانوں کی تاریخی شروعات ہے۔اس بارے میں محمود ہاشمی لکھتے ہیں: ''ستاروں سے آگے'' جدید افسانے طرز واسلوب کی نشاندہی تو ضرور کرتا ہے۔
لیکن افسانوی مجموعہ کی کائنات بہت محدود ہے، عُنفوان عہد کی رفاقتیں واہمی اور خواب اس مجموعہ کے افسانوں کی گم شدہ لیکن مرغوب اورمحبوب منزلیں ہیں۔ یہ گم شدگی بھی خود اپنی سرشت میں ایک خوابناک احساس ہے۔ اس احساس کے باعث، اِن افسانوں میں مسرت کی تلاش اورخوف کا جذبہ مسلسل موجود رہتا ہے رہتا ہے جو اکتا دینے

والی یکسانیت کو جنم دیتا ہے، بیشتر کردار ایسے ہیں نوجوان فلرٹیشن سے اُکتا کر حقائق کی جانب متوجہ ہونا چاہتے ہیں، یا تنہائی کے شدید احساس سے خود کو مضمحل بنا لیتے ہیں۔

گویا یہ مجموعہ جدید فکشن کا عنفوانی استعارہ ہے، (اقتباس ختم) (مضمون مشمولہ نیا افسانہ مسائل اور تجزیہ از گوپی چند نارنگ۔مضمون قرۃ العین حیدر افسانہ کا نقطۂ آغاز،ص:۴۳۶)

قرۃ العین حیدر جب اپنے تجربہ اور مشاہدات کی روشنی میں لکھنے کی شروعات کرتی ہیں تو اپنی تخلیقات میں نئی جہتوں کو تلاش کرتی ہیں تاکہ قاری پر زندگی کی ان حقائق اور پیچیدگیوں کو محسوس کرنے کی حس پیدا ہو وہ آنکھ کھول کر اپنے اردگرد کا مشاہدہ کرے اپنے سوئے ہوئے شعور کو باشعور بنائے، اپنے ضمیر کو ٹٹولے اور اپنی زندگی کو زندہ جاویداں بنائے۔مس عینی کے کے بارے میں پروفیسر قمر رئیس لکھتے ہیں:

''عہد شباب کی ان خوابگوں اور گلفشاں محلات سے ۱۹۵۱ء کے بعد جب وہ باہر نکلتی ہیں۔ تقسیم وطن، فسادات اور ہجرت کے المناک سانحے جب انہیں زندگی کی قلم اور سنگین حقیقتوں کے روبرو لاتے ہیں جب ملی جلی تہذیب کا تصور چکنا چور ہو جاتا ہے اور اودھ کی شام پر اندھیرے پڑاؤ ڈالتے ہیں تو قرۃ العین حیدر انسانی حیات اور اجتماعی حقیقتوں کی تئیں سنجیدہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں'' اپنے پہلے مجموعہ ''ستاروں سے آگے'' کے افسانوں اور ابتدائی دو ناولوں میں وہ اسی دنیا کی رنگینیوں، اس کی سچائیوں اور سوز و ساز کو دریافت کرتی ہیں اور کوشش کرتی ہیں کہ ذرا فاصلہ رکھ کر معروضی انداز سے اس زندگی کو دیکھیں اور دکھائیں، لیکن جذباتی رشتے انہیں ایسا کرنے سے باز رکھتے ہیں''۔

(مضمون مشمولہ قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ۔از ارتضٰی کریم۔ مضمون قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ،ص:۳۸)

مس حیدر اپنی تحریروں میں خود اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہیں۔ان کے افسانے تکنیکی اعتبار سے مکمل جانے جاتے ہیں۔ جہاں افسانہ کا پلاٹ، کردار، تخیلات، اظہار بیان پر مکمل گرفت ہوتی ہے۔اور اُن کی تحریریں خوب سے خوب تر کی جانب بڑھتی چلی جاتی ہیں۔آئیے اب ہم اُن کی دوسرے افسانوی مجموعہ کی طرف بڑھتے ہیں۔

''شیشے کا گھر'' قرۃ العین حیدر کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے۔ جس میں اُن کے افسانے نئے روپ میں نکھرنے لگے۔اس میں انہوں نے بہت زیادہ تعداد میں افسانے لکھے۔جس میں تقسیم ملک کے بعد کا کرب سماجی، تہذیبی، معاشرتی، ثقافتی ماحول میں ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر ہی۔ ہوا کے نئے رُخ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے دوروپ۔تقسیم کے بعد کے حالات، ہندوستان کے مختلف طبقات، خاص کر جاگردارانہ اور ہائی سوسائٹی کی چغلتیں ماحول کی گھٹن ان سب کا نچوڑ ہمیں قرۃ العین کے افسانوں میں بخوبی ملتا ہے مس حیدر کے تجربوں کا اندازہ بھی ہمیں اُن افسانوں کے مطالعہ سے ہوتا ہے جیسے افسانے ''کیکش لینڈ''، ''یہ داغ داغ اُجالا''، ''برف باری''، ''دیوار اور در کے درخت''، ''ہم لوگ''، ''رقص سزا''۔ ''یہ باتیں''، ''جہاں کارواں ٹھہرا تھا''، ''مونا لیزا''، ''جہاں پھول کھلتے ہیں''، ''لندن لیٹر''، ''جلاوطن'' وغیرہ۔

ہاؤزنگ سوسائٹی مس حیدر کا پہلا افسانہ ہے جس میں حقیقت نگاری سے کام لیا گیا ہے۔اُن کے دیگر افسانے

بھی جیسے ''دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم'' ''مس روحی Miss Ruhi، ''جیمی زون'' وغیرہ بھی ایسے افسانے جو مسلم معاشرے کے کرداروں کو ذہن میں رکھ کر اپنی تحریروں کے ذریعہ نہایت دلیرانہ انداز میں سپرد قلم کئے گئے۔ ان افسانوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قرۃ العین حیدر نے مسلسل رومانوی افسانے لکھے۔ اُن کے افسانوں کی منظر کشی کا تو یہ عالم ہے کہ قاری بیٹھی جگہ مسوری کے خوبصورت موسم کو اپنے سامنے دیکھنے لگتا ہے۔ کہیں ڈوبتے اُبھرتے سورج کی روشنی ہمیں نظر آنے لگتی ہے۔ کہیں پاکستان کی ہائی سوسائٹی کی بگڑی تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ دولت کمانا اور اس کا ناجائز استعمال ہائی سوسائٹی کا شیوہ ہے۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو اپنی دولت کو صحیح استعمال کرتے ہیں۔ قرۃ العین حیدر کے افسانوں کا ہم بغور مطالعہ کریں تو کئی حقائق جو زندگی کا کڑوا سچ ہے وہ کرداروں کی شکل میں ہمارے سامنے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ ایک کے بعد دیگر اس طرح کے کردار پڑھنے والوں کو جھنجوڑتے ہیں کہ اب بھی وقت ہے سدھر جاؤ۔ زیادہ تر افسانوں کا کلائمکس کرب نازک اور اضطراب آمیز ہوتا ہے اور پڑھنے والے کھلی آنکھوں سے یہ ڈھونڈنے لگتے ہیں کہ کرداروں میں ڈھلے ہیرو، ہیروئن، ویلن کیا اپنی غلطیوں کی وجہ سے بے ادھورے رہ جاتے ہیں؟ اور نئی نسل کے قاریوں کو یہ سوچنے پر مجبور کردیتے ہیں کہ واقعی آزاد خیالی میں سب کچھ نہیں زندگی تو اللہ تعالیٰ کی وہ دین جس کو نہایت سلیقے اور سلجھے ہوئے طریقے سے اپنے حدود میں رہ کر گزاری جائے۔ دولت کا ناجائز استعمال دِکھاوا، رِیاکاری، آزادیٔ نسواں کا بے تکا استعمال، لباس کا بے ڈھنگا پن معاشرے کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔

''دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم''، ''میں نے لاکھوں بول سہے'' ایسا کڑوا سچ ہے جس کو میں حیدر نے زمانے کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔ ''پت جھڑ کی آواز'' میں حیدر کا آٹھ افسانوں پر مشتمل افسانوی مجموعہ ہے۔ جس میں ''ہاؤزنگ سوسائٹی'' جیسا طویل افسانہ بھی ہے۔ وہیں ایک مطالعہ جیسا مختصر افسانہ بھی موجود ہے۔ ان افسانوں میں ڈائیلاگ کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ ان افسانوں میں بھی مس حیدر نے بڑی حقیقت سازی سے کام لیا ہے۔ اس مجموعے کے افسانوں میں مرد کے بے وفائی سے متکبر عورت کی لاچاری کو بہت باریک بینی سے پیش کیا ہے۔ ہاؤزنگ سوسائٹی میں اُنھوں نے بلا جھجک طنزیہ انداز میں حقیقت سازی سے کام لیا۔ سہیل بیابانی اپنے مضمون میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''قرۃ العین حیدر نے ہاؤزنگ سوسائٹی'' جیسا افسانہ لکھ کر اپنے آپ کو اس الزام سے بچالیا کہ وہ صرف رومان پرست افسانہ نگار ہیں، ہاؤزنگ سوسائٹی ''جلاوطن'' جیسے افسانے قرۃ العین کے افسانوی سفر کے دو اہم سنگ میل ہیں۔ (قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ از ارتضیٰ کریم ص: ۵۴۵)

ایک اور جگہ سہیل بیابانی لکھتے ہیں:

> ''روشنی کی رفتار'' کے افسانے فن کی بلندیوں کو چھوتے نظر آتے ہیں۔ قرۃ العین کے افسانوی فن کی پہلی معرکتہ الآراء پیش کش ''ستارہ سے آگے'' تھی۔ ''شیشے کے گھر'' اس سے آگے کا قدم تھا۔ اس مجموعہ میں جلاوطن جیسا عظیم افسانہ شامل تھا۔ یہاں سے قرۃ العین حیدر کے فن میں حقیقت پسندی ارتقائی شکل میں ''ہاؤزنگ سوسائٹی'' میں نظر آتی ہے۔ یہ افسانہ اُن کے تیسرے افسانوی مجموعہ''

پت جھڑ کی آواز'' میں شامل ہے۔''پت جھڑ کی آواز'' تک کا سفر قرۃ العین حیدر کے افسانوی فن کے تدریجی ارتقاء کی داستان ہے۔جو روشنی کی رفتار پر پہنچ کر اپنی فنی بلندیوں پر نظر آتی ہے۔(سہیل بیابانی،قرۃ العین حیدر کے افسانوں کی تدریجی ارتقاء۔مضمون مشمولہ۔قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ ازارتضٰی کریم۔ص:۴۶-۵۴۵)

روشنی کی رفتا میں حیدر Miss Hyder کا چوتھا افسانوی مجموعہ ہے جس میں طویل داستانوی انداز کی کہانیاں واپس اپنی روشنی بکھیرنے لگی۔محیر العقل واقعات سے مزین کہانیاں اس اس میں شامل ہے۔جس کے مطالعہ سے قاری کو لگتا ہے کہ مس حیدر نے پرانی تکنیکی فارمولے کو استعمال کیا اور اپنے وسیع مطالعے کی روشنی میں Space تک کہانیوں کو پہنچایا۔ ان کہانیوں میں مشرقیت کی جگہ مغربیت نے لے لی۔دقیانوسیت کی جگہ جدیدیت نے لے لی۔اس مجموعہ میں فنی مہارت سائنسی مطالعہ،فنکارانہ مہارت کی جھلک نظر آتی ہے۔اور اُن کا یہ نیا تجربہ اُن کے وسیع مطالعہ اور انداز تحریر میں تبدیلی ہے۔اس مجموعہ کے نام کا ہی اضافہ ''روشنی رفتار'' ہے جوانوکھا نرالا ہے۔اس مجموعہ میں انہوں نے روزگاری کے مسئلہ کو بھی اُجاگر کیا ہے اور بڑی ہی تلخ حقیقت کو نہایت عمدگی سے پیش کیا ہے۔جگنوؤں کی دنیا قرۃ العین حیدر کے افسانوں کا پانچواں مجموعہ ہے۔

بہرکیف قرۃ العین حیدر کے تمام افسانوں کے کردار تہذیبی احساس سے وابستہ ہونے کے لئے بیقرار رہتے ہیں،قرۃ العین حیدر تقریباً طویل افسانے مختصر افسانوں کی تعداد اُن کے ہاں کم ہی ہوتی ہے۔

حافظ وقاری ولی محمد زاہدؔ ہریانوی حیدرآباد

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

زندگی میری نظر آتی ہے یوُں مجھ کو حسیں
مصطفیٰؐ ختمِ رسالت ہیں مرے دل میں مکیں

دونوں عالم میں نہیں ہے اِس قدر کوئی حسیں
''پیکرِ انوارِ حق ہیں سرورِ دُنیا و دیں''

یوں تو آئے ہیں زمیں پر انبیاءؑ لاکھوں مگر
رحمتِ عالمؐ کے جیسا کوئی بھی آیا نہیں

آپؐ نے ہم کو بتایا ہے جو سیدھا راستہ
چھوڑ کر راہِ ہدایت اب نہ بھٹکیں گے کہیں

دُشمنوں سے بھی کیا ہے مصطفیٰؐ نے درگذر
آپؐ کے کردار کی تمثیل دنیا میں نہیں

کھوگیا ہوں میں محبت میں شہہِ ابرار کی
ہوگیا ہوں فانی دنیا سے ہی اب گوشہ نشیں

مرکزِ رُشد و ہدایت بن گئی جو آپؐ سے
بس تصوّر میں ہے میرے وہ مقدّس سرزمیں

دیکھ کر آیا ہوں جب سے روضۂ سرکارؐ کو
دل سوا طیبہ کے لگتا ہی نہیں میرا کہیں

ہوگئی دُنیا منوّر مصطفیٰؐ کے نور سے
احمدِ مُرسَلؐ ہیں زاہدؔ بالیقیں ماہِ مُبیں

رفیعہ نوشین۔حیدرآباد-دکن

تحریک آزادی میں طوائفوں کا کردار

(طوائف عزیزن بائی کے حوالے سے)

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جنگ آزادی میں بے شمار افراد نے جان کی بازی لگائی اور جدوجہد آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ایسے ہزاروں مجاہدین آزادی ہیں جن کے نام اور کارناموں سے ہم آج بھی واقف نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی قیمتی جانوں کی پرواہ نہیں کی اور ہنستے ہنستے تختہ دار پر چڑھ گئے۔ان کے ساتھ ساتھ وہ مقامی مجاہدین بھی ہیں، جنہوں نے اپنے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں علم بغاوت بلند کر کے عوام کے اذہان وافکار کو تحریک دی اور ان کے دلوں میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کیا۔ظاہر ہے کہ 1857ء کی بغاوت کا مرکز دلّی تھی مگر اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ تقریباً تمام ملک اور خصوصاً شمالی ہندوستان میں قریہ،قریہ،شہر شہر یہ لڑائی لڑی گئی اور مقامی سطح پر بڑے بڑے معرکے سر ہوئے مگر یہ بھی ایک بڑا المیہ ہے کہ ان مقامی مجاہدین کے کارنامے صفِ اوّل کے سورماؤں کے کارناموں میں دب کر رہ گئے۔

جنگ آزادی میں دوسروں کی طرح مسلم سماج کے ہر طبقے نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔علماء،فقہا،صوفیا،اہل علم و دانش،روٴساء،غرباء یہاں تک کہ وہ طبقہ بھی وطن کے لئے مر مٹنے والوں میں پیچھے نہیں رہا جسے معاشرے میں نفرت اور حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔اور وہ ہے ''طوائف'' عمومی نظریہ کے مطابق ایک ناچنے گانے والی رونق بازار عورت!

اگر ہم تاریخ کے اوراق الٹیں تو پتہ چلتا ہے کہ طوائفیں برصغیر کے ثقافتی ورثے کا ایک اٹوٹ حصہ تھیں۔ان کے فنون بطور خاص فارسی، اردو ادب اور شاعری کے حوالے سے ان کا انتہائی احترام کیا جاتا تھا۔گو کہ وہ مغل دور سے پہلے بھی شرفاء کی تفریح طبع کا سامان ہوا کرتی تھیں اور مغلیہ دور حکومت میں انہیں عروج حاصل ہوا تھا۔

پران نیویل نے اپنی کتاب 'ناچ گرلز آف انڈیا' میں بتایا ہے کہ کس طرح شمالی ہندوستان کی طوائفوں کو دولت، طاقت، عزت اور سیاسی رسائی حاصل تھی اور انھیں ثقافت پر اتھارٹی سمجھا جاتا تھا۔شریف خاندان اپنے بیٹوں کو تہذیب، آداب اور 'گفتگو کا فن' سیکھنے کے لیے ان کے پاس بھیجتے تھے۔

اودھ کے آخری نواب واجد علی شاہ کی اہلیہ بیگم حضرت محل، بعض حوالوں کے مطابق، شادی سے پہلے ایک طوائف تھیں ان کی تعلیم ایک رقاصہ کی شکل میں ہوئی جس کا

مقصد واجد علی شاہ کو متاثر کرنا تھا۔نواب صاحب نے ان کو اپنے حرم میں جگہ دی۔اے - پی - جے -ٹیلر، برطانیہ کے مورخ کے مطابق جب افتخار النساء کے یہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوئی تو ان کا رتبہ بڑھا اورانہیں نواب صاحب نے اپنی ازواج میں شامل کر کے حضرت محل کا لقب دیا اور انہیں شاہی خاندان میں ملکہ کا درجہ دیا۔

اس کی ایک اور روشن مثال اوّلین تحریک آزادی کی ایک عظیم مجاہدہ کی حب الوطنی، شجاعت اور قربانی ہے۔ ایک ناچنے گانے والی رونق بازار عورت کو اس کے جذبہ جہاد آزادی نے اس طرح سر بلند کر دیا کہ اس کے آگے تمام شرافتوں، نجابتوں اور سماجی تفاخر نے بھی سر خم کیا۔

وہ عظیم مجاہدہ ہے 'عزیزن' جو 1832 میں لکھنؤ میں پیدا ہوئی - والدین اس کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد فوت ہو گئے تھے - اس کے بعد عزیزن مشہور رقاصہ امراؤ جان کے پاس سارنگی محل میں رہتی تھی۔

1857 کا انقلاب سامنے آیا تو اس کی عمر 24 سال کی تھی - اور وہ شہر کی معروف خوب صورت اور سبھوں کی منظور نظر 'ڈیرے دار طوائف' تھی۔

مصنف اور تاریخ دان پران نیویل نے اپنی کتاب ''ناچ گرلس آف انڈیا'' میں لکھا ہے کہ ''بہترین طوائفیں، جنھیں ڈیرے دار طوائفیں کہا جاتا ہے شاہی مغل درباروں سے اپنا نسب جوڑتی ہیں''۔ وہ بادشاہوں اور نوابوں کے خدام میں سے تھیں۔

بڑے بڑے عزت دار گھرانے کے لوگ اپنے بچوں کی تربیت اس کی نگرانی میں کراتے تھے۔ان شرفاء سے اس کے رقص کی محفل بھی بارونق ہوتی تھی۔غزل گائیکی سے عزیزن کا بالا خانہ عندلیبوں کا چمن زار بنا رہتا۔عزیزن ایک خوددار، مخلص اور عزت نفس کی پاسدار خاتون تھی۔ حب الوطنی اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑتی تھی۔

عزیزن کو یہ تحریک اپنے ایک عاشق شمس الدین سے ملی جو خود ہندوستان کا ایک ایماندار سپاہی تھا۔ جو اکثر آدھی رات کو اس کے بالا خانے پر آتا تھا اور اسی بالا خانے پر خفیہ میٹنگیں ہوتی تھیں۔جس کی وجہ سے اس پر انگریزوں کے خلاف جاسوسی کا الزام عائد ہو گیا تھا - اور وہ ہمیشہ انگریزی فوج کے نشانے پر رہی۔

1857 کے غدر میں کانپور بھی انقلابیوں کا پڑاؤ تھا - اس وقت نانا صاحب نے اپیل کی تھی کہ اپنے ملک کی خاطر برطانوی سامراج سے ٹکر لینے کے لئے متحد ہو جائیں - اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں فوج میں بھرتی ہوں - یہ اعلان سنتے ہی مجاہدہ عزیزن نے محفل رقص کو حاشئے پر رکھا اور ملک دشمن انگریزوں سے انتقام اپنا مقصد حیات بنا لیا۔اور شمس الدین کے تعاون سے عورتوں کی ایک چھوٹی سی فوج منظّم کی - وہ گھر گھر جاتی عورتوں کو گھڑ سواری اور ہتھیاروں کا استعمال سکھاتی - خواتین کے فوجی دستہ کا قیام اس عظیم مجاہدہ کی کاوش کا نتیجہ تھا۔

خواتین کا یہ فوجی دستہ اپنی مخصوص وردی میں ملبوس گھوڑوں پر سوار ہاتھ میں تلواریں لئے جب خاص خاص شاہراہوں سے گزرتا تو سڑک کے دونوں طرف کھڑی بھیڑ

''عزیزن زندہ آباد'' کے فلک شگاف نعرے لگاتی۔

عزیزن ''انقلابی کمان'' کی بھی فعال ممبر تھی- نانا صاحب کے دست راست عظیم اللہ خان اور تاتیا ٹوپی کو اس پر مکمل اعتماد تھا- یہی وجہ ہے کہ کانپور کی قومی اتحادی فوج کے کارناموں اور نانا صاحب کی پیشوائی کا جہاں بھی ذکر آیا ہے ''عزیزن'' کا ذکر ضرور کیا گیا ہے۔

اٹھارہ سو ستاون کے زمانے میں کسی ہندوستانی عورت کا ایک فوجی کی طرح کردار نبھانا اپنے آپ میں ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

ایک انگریز مورخ عزیزن کی جنگی صلاحیتوں سے متعلق لکھتا ہے:

''وہ اسلحہ باندھے گھوڑے پر سوار، بجلی کی طرح شہر کی گلیوں اور فوجی چھاؤنیوں میں چکر لگایا کرتی۔ کبھی وہ گلیوں میں گھوم گھوم کر بے حال اور زخمی سپاہیوں کو دودھ اور مٹھائی بانٹتی اور کبھی پھل بانٹتی تھی۔ کبھی زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کرتی۔ اس کے ساتھ ہی انگریزوں کے قلعے کی دیوار کے نیچے باغی سپاہیوں کے حوصلے کو بڑھاتی تھی۔ وہ محاذ پر گولا بارود اور اپنے سپاہیوں کو ناشتہ، کھانا بھی پہنچاتی تھی۔(مقدمہ ''عزیزن'' اردو ترجمہ، ص6)

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین جنہوں نے 'عزیزن' نامی کتاب پر تبصرہ کیا ہے کہتے ہیں "حقیقت یہی ہے کہ عزیزن نفسیاتی طور پر بھی ایک مجاہدہ تھی- اس کے اندر کی عورت کا وجود حق اور سچائی کا پاسدار تھا اور اسی سوچ نے اس کے وجود کو آہنی بنا دیا تھا جہاں عورت اور مرد کی جسمانی ساخت بیچ میں حائل نہیں ہوتی۔ عزیزن کی ذہانت، قائدانہ صلاحیت، معرکہ آرائی کا ہنر، مخبری جنگی تدابیر اور شہادت کو یہ کتاب واضح کرتی ہے۔ یہ وضاحت عزیزن کو حضرت محل اور جھانسی کی رانی کی ہمسر نہیں تو شریک کار کا درجہ ضرور عطا کرتی ہے''۔(پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین مبصر کتاب عزیزن)

ہندی کی ایک ڈرامہ نویس خاتون محترمہ ترپوراری شرما نے ''سن ستاون کا قصہ،عزیزن'' کے عنوان سے اپنا ڈرامہ کتابی شکل میں شائع کیا جو اگر چہ ایک تخلیقی تمثیل ہے لیکن مجاہد آزادی عزیزن بائی کے تئیں ایک جذباتی خراج عقیدت بھی ہے۔ اس ڈرامے کے پیش لفظ میں محترمہ نے بالکل درست لکھا ہے کہ:

''طوائف عزیزن کی قربانیاں، جذبہ حب الوطنی اور باقاعدہ میدان جنگ میں اس کے عملی کارنامے اس لائق ہیں کہ انہیں بار بار یاد کیا جائے، عام اردو والوں کے لیے یہ نام خاصا اجنبی ہو کر رہ گیا ہے باوجود یہ کہ عزیزن اردو تہذیب وتمدن کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھی۔''

عزیزن بائی 1857ء کی ایک خونی تاریخ سے جھانکتا ہوا نام ہے جو کانپور کی ایک طوائف کا کم واضح اور عمداً یا سہواً نظر انداز کیا گیا نام ہے جسے آب زر سے لکھا جائے تب بھی توقیر کا حق ادا نہ ہوگا۔

نتیجۂ فکر: سید نوید جعفری

غزل

اشک ہر وقت میرا ساتھ نبھانے نکلے
جب خوشی آئی تو خوشیوں کے بہانے نکلے

جس نے نسلوں کی سیاہی کو اجالا بخشا
چند شب زاد وہ سورج کو بجھانے نکلے

جستجو نے تیری عرفان دوعالم بخشا
ھم جسے ڈھونڈنے نکلے وہ سرہانے نکلے

شام سے ڈوبنے لگتا ہے جو دل تو ہم بھی
اپنے پیمانے خورشید اگانے نکلے

تیری الفت تیری حسرت تیری فرقت کا مآل
دل کھنڈر جب ہوا پوشیدہ خزانے نکلے

جن کو فرقت میں کبھی دیکھنے رکھ چھوڑا تھا
ان درازوں میں وہی خواب پرانے نکلے

شہر میں دشت میں گلشن میں تجھی کو پایا
اے غم یار تیرے کتنے ٹھکانے نکلے

چاند نکلا تو میں لوگوں سے لپٹ کر رویا
غم کے آنسو تھے جو خوشیوں کے بہانے نکلے

رزق میں جن کے نہ محنت کا نہ برکت کا خمیر
رزق آشوب کئی ایسے گھرانے نکلے

لوگ آسان سمجھتے ہیں غزل خواں ہونا
ہجر جھیلا ہے تو الفت کے ترانے نکلے

یاد کس کی ہوئی ہے پاؤں کی زنجیر نوید
قرض جاں عشق میں ہم جب بھی چکانے نکلے

المیہ تو یہ ہے کہ تاریخ نویسوں نے تحریک آزادی ہند میں مسلم خواتین کے تابناک کردار سے اغماض کیا ہے- تحریک آزادی ہند کے تذکروں میں ان کو وہ مقام و مرتبہ نہیں دیا گیا جس کی وہ واقعی حق دار تھیں۔

جنگ آزادی میں شاندار کردار ادا کرنے والی ہزاروں مسلم خواتین میں سے صرف بیگم حضرت محل اور بی امّاں کے تذکرے پر ہی اکتفاء کیا ہے- جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس میں خواتین کا کردار مردوں کے مقابلے میں کسی بھی حیثیت سے کم تر ہرگز نہیں رہا تھا - اس عزیزن بائی 1857ء کی ایک خونی تاریخ سے جھانکتا ہوا نام ہے جو کانپور کی ایک طوائف کا کم واضح اور عمداً یا سہواً نظر انداز کیا گیا نام ہے جسے آب زر سے لکھا جائے تب بھی توقیر کا حق ادا نہ ہوگا - کی سب سے اہم وجہ مورخین کا 90 فیصد مردوں پر مشتمل ہونا ہے- لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ خواتین ہی اس کا بیڑہ اٹھائیں اور مسلم خواتین مجاہدین کے بارے میں لکھ کر انہیں ان کا مناسب مقام عطا کریں۔

Reference:

(1) https//:ur.m.wikipedia.org/ wiki link:
مبصر کتاب عزیزن

(2) https//:www.khwajaekram.com

(3) Nauch gils of India Book by Pran Nevile.

(4) ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلم خواتین کا حصہ (ڈاکٹر عابدہ سمیع الدین)

ڈاکٹر قمر حسین انصاری

سوشیل میڈیا- کیا کھویا، کیا پایا

آج کے زمانے میں سوشیل میڈیا نے ایک انقلاب برپا کررکھا ہے جو جنگل کی آگ کی طرح ساری دنیا کو اپنے لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ فیس بک، انسٹا گرام، ٹوئٹر اور واٹس اپ کے لوگ اتنے عادی ہوگئے ہیں کہ بس پوچھئے مت۔ کسی سے اُس کا موبائیل فون ایک دن کے لئے چھین لیجئے اور پھر دیکھئے شام تک وہ کس طرح مُرجھا جاتا ہے۔ بالکل ایک پودے کی طرح جس کو پانی اور کھاد سے محروم کردیا جائے۔ دراصل یہ عادت (Addiction) جسم (خون میں) ایک ہارمون (Dopamine) کے اخراج سے پیدا ہوتی ہے جو تھوڑی دیر کے لئے خوشی اور تسکین دیتا ہے۔

سوشیل میڈیا کے جہاں کئی فائدے ہیں، وہاں اگر اُس کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو بہت سارے نقصانات بھی ہیں۔ یہ لوگوں کے اپنی اظہار رائے کا بہترین ذریعہ ہے لیکن ہم نے اسے اپنی اختلاف رائے کو شدت سے دوسروں پہ مسلط کرنے کے لئے استعمال کیا ہے اور کررہے ہیں۔ بے شک اس نے ہماری سیاسی، سائنسی، ادبی، مذہبی معلومات میں کافی اضافہ کیا ہے۔ فاصلاتی مواصلات کو بہت کم کیا ہے، سیاستدانوں نے اسے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے لوگوں کو آپس میں لڑانے اور جھگڑوانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ ہر چھوٹے بڑے مسلوں کو فرقہ وارانہ رنگ دیکر مذہب کے ٹھیکے داروں نے ایک اللہ، ایک قرآن، ایک رسول، ایک دین کو ماننے والوں کو مسلکی فرقہ بندی میں بانٹ کرایک دوسرے سے الگ تھلگ کردیا ہے اور پوری قوم وملت کو بانٹ دیا ہے جو ساری دنیا میں غیر متحد ہوکر ذلیل وخوار ہورہے ہیں۔

چاہئے تو یہ تھا کہ ہم سوشل میڈیا کا صحیح استعمال کرتے ہوئے امن وامان، رواداری، ایمانداری، انسانیت، اخلاص عمل کے لئے استعمال کرتے اور لوگوں کو آپس میں جوڑتے لیکن ہم نے اسے بُغض وعناد جلن وحسد، غم وغصہ او رتشدد کے لئے استعمال کیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے ہیں۔ ہم نے سوشیل میڈیا کو اپنی بڑائی، دکھاوا اور خوش نمائی کا بہترین ذریعہ بنالیا ہے۔

سوشیل میڈیا سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ اُس نے ہمارے ظاہر اور باطن کو الگ الگ کردیا ہے نہ وہ پاکیزگی رہی اور نہ وہ یگانگی۔ زیادہ تر لوگوں کے دو چہرے اُبھر کر سامنے آئے ہیں۔ ایک واٹس اپ، فیس بک کا صاف وشفاف چہرہ جس میں وہ اچھی اچھی قرآنی آیات، پیاری پیاری احادیث اور اصلاحی اقوال زرین پوسٹ کرتے ہیں لیکن اپنی عملی زندگی میں اس کے برعکس ہیں۔ اور اپنی ہی پوسٹ کے خلاف طرز زندگی اپنائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے اس دوغلہ پن کے متعلق کہتا ہے: ”اللہ کے نزدیک بہت سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں

عبدالمنان صمدی ایم۔اے، شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

غزل

بہت راحت ملی جب تک رہے کچے مکانوں میں
کہاں آکر مقید ہوگئے ہم سائبانوں میں

ہمیں دیکھو کہ ہم کیا ہیں ہماری عمر کتنی ہیں؟
ہم اپنا خون پسینہ بیچ آئے کارخانوں میں

بلندی سے جنہیں پھیکا گیا تھا آنِ واحد میں
انہی کے آج چرچے ہو رہے ہیں آسمانوں میں

کہیں ہندی، کہیں اردو، کہیں انگیزی ہے رائج
مرے مولا یہ دنیا بٹ گئی کتنی زبانوں میں

نہیں تقدیر سے شکوہ نہیں کوئی گلہ ہم کو
رہیں ہم جھونپڑوں یا رہیں کچے مکانوں میں

☆☆☆

کرتے'' (الصف:۳) پسندیدہ حُسن یہی ہے کہ ظاہر و باطن یکساں ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے: ''تم کھلے گناہوں سے بھی بچو اور چھپے گناہوں سے بھی بچو۔ جو لوگ گناہوں کا اکتساب کرتے ہیں وہ اپنی اس کمائی کا بدلہ پا کر رہیں گے''۔ (سورۃ الانعام:۱۵۰)

یعنی ظاہر اور باطن کی پاکیزگی و یگانگی انسان کو خوبصورت اور خوب سیرت بناتی ہے۔ عیوب کی پردہ پوشی کر کے اور ظاہر کو خوبصورت دکھا کر معاملات طے کرنے میں نہ کوئی بھلائی ہے اور نہ کوئی فائدہ۔ اس پر فریب طریقے سے ناپسندیدہ تلخ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ظاہر کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے۔ ہمارے سامنے پیارے نبی ﷺ کا اُسوۂ حسنہ ایک کھلی کتاب ہے جس میں آپ ﷺ سفید کپڑے زیب تن کیا کرتے تھے وہ اس لئے ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے۔

مومن کی شان یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے اور منافق کی علامت یہ ہے کہ اُس کا ظاہر و باطن الگ الگ۔ اللہ اور اُس کے رسول ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنا باطن پاکیزہ بنائیں، اُسے ہر بُرائی سے بچائیں اور اُسے ظاہر کی طرح پاک و صاف رکھیں۔

اللہ تعالیٰ معرفت اور حکمت کی نعمتیں اُسی انسان کو دیتا ہے جو اپنے ظاہر و باطن کو یکساں رکھتا ہے اور اپنے معاملات میں احسان کا عمل کرتا ہے، اپنے نفس اور انا پر قابو رکھتا ہے، لوگوں میں محبتیں بانٹتا ہے۔

جو لوگ اپنی زندگی اور تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ربط قائم رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اُنھیں اپنے آپ سے مربوط اور منسوب کر لیتا ہے اُن کے ظاہر و باطن کو حسین و جمیل بنا دیتا ہے اور یکساں کر دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آگیا'' اس لئے لوگو فجر کی نماز پابندی سے پڑھا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذمہ داری میں لے لے، تمہارے ظاہر و باطن کو دو چہروں کو ایک کر دے۔

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کے رکن اعزازی ٹرسٹی شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد مولانا ارشادالحق قاسمی مدنی کی حیدرآباد کی آمد پر مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہین نگر حیدرآباد میں طلباء کے تربیتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا مولانا نے طلبا کے روشن مستقبل کے لیے بڑی موثر باتیں کہیں اور ملک کی موجودہ صورتحال سے آگاہ کیا وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے مدارس میں تعلیم وتربیت کا ٹھوس، مضبوط انتظام کریں۔

مولانا کے ہاتھوں تازہ شمارہ کی رونمائی ہوئی، مولانا مدنی نے ٹرسٹ اور مدرسہ کی خدمات کو سراہا اور دعائیں دیں اس موقع پر مدرسہ کے ناظم ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، حافظ محمد شاکر قاسمی، مولانا اشرف علی اشاعتی، حاجی ظہیر احمد اور مولانا محمد مساعد ہلال احیائی موجود تھے۔

از: محمد یاسین ہابیلؔ (حیدرآبادی) فالسم، کیلیفورنیا، ایسٹ امریکہ

نظم

اک تمہارا ہی نہیں ہے ملک یہ ہندوستان
ہے یہاں مسلم بھی سچا وہ بھی تو ہے پاسبان

کیوں حقیقت سے تمہیں انکار ہے اہلِ وطن
پڑھ کے تو دیکھو ذرا تم بھی ہماری داستان

نام پر مذہب کے کب تک ظلم کرتے ہو سدا
کیا نہیں قربانی کا کوئی ہماری قدردان

ہم کو ہے حُب الوطنی جان سے زیادہ عزیز
ہم وطن کے واسطے کردیں گے قرباں اپنی جان

کی حکومت ہم نے بھی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لے
مل نہ پائے گا کبھی ہرگز تعصب کا نشان

ذہن میں اچھی طرح تو اس حقیقت کو بٹھا
ہندو مسلم سکھ عیسائی کا ہے یہ ہندوستان

کہدے یہ ہابیلؔ اُن سے آ کے وہ یہ دیکھ لیں
کل کفن پر لکھا ہوگا ہے وطن ہندوستان

☆☆☆

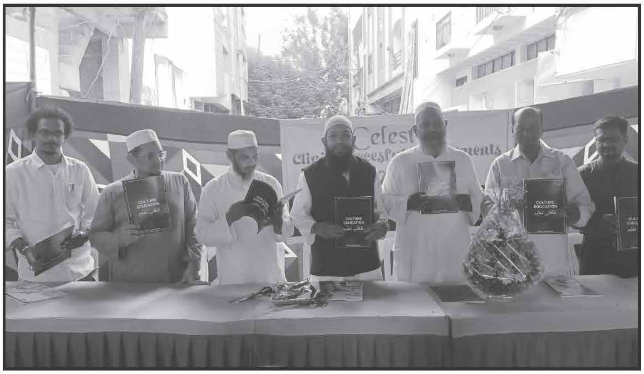

ڈاکٹر محمد اشفاق نے حالات حاضرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ثقافتی تعلیم کے نام سے ایک عمدہ کتاب ترتیب دیا ہے اس کتاب کا رسم اجرا کرتے ہوئے ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کے ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، مرتب کتاب ڈاکٹر محمد اشفاق صاحب، مولانا ارشاد الحق قاسمی مدنی و دیگر ادارہ شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد ڈاکٹر صاحب کی اس اہم خدمات پر مبارک باد پیش کرتا ہے۔

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد مولانا بشیر معروفی، حافظ ذیشان، ڈاکٹر صادق علی، عبد السلام خان انجینئر، ڈاکٹر مظہر، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، حافظ محمد شاکر قاسمی، مولانا مساعد ہلال احیائی، مولانا اشرف علی اشاعتی، مولانا ناظر قاسمی وغیرہ کے ہاتھوں میں۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning: 9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

Regd. No.
180/2016

مسجدِ الٰہی کی تعمیر کے لئے تعاون کی اپیل

First Floor Plan of Masjid - e- Elahi at Shaheen Nagar, Hyderabad.

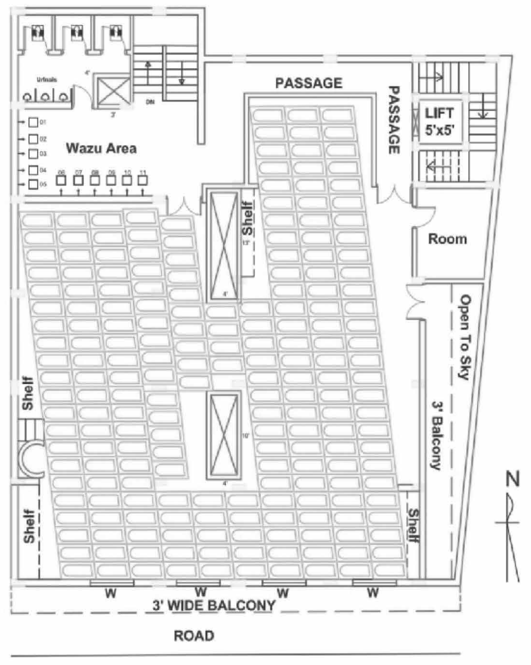

مسجدِ الٰہی زیرِ انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام شروع ہو رہا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیّرہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کر دی ہے، اللہ تعالیٰ مخیّرہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیرِ انتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔ مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کی تعمیری کام میں ایک مصلّی=/13000 روپئے، ایک اسکوائر فٹ=/830 روپئے نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کر کے حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔ جزاک اللہ أحسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number :** 1327104000065876
A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar
G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY
A Central University under Ministry of Education
Government of India

Directorate of Distance Education نظامت فاصلاتی تعلیم

داخلہ اعلامیہ۔ تعلیمی سال 2023-24

جولائی۔اگست 2023 سے شروع ہونے والے تعلیمی سال 2023-24 میں مندرجہ ذیل فاصلاتی طریقہ تعلیم کے پروگراموں میں داخلے کے لیے آن لائن درخواستیں مطلوب ہیں:

1۔ ایم اے (اردو)	10۔ بیچلر آف سائنس (بی۔ایس۔سی) (فیزیکل سائنسز)
2۔ ایم اے (ہندی)	11۔ بیچلر آف ایجوکیشن (بی۔ایڈ)
3۔ ایم اے (انگریزی)	12۔ ڈپلوما ان جرنلزم اینڈ ماس کمیونی کیشن
4۔ ایم اے (عربی)	13۔ ڈپلوما ان ٹیچ انگلش
5۔ ایم اے (تاریخ)	14۔ ڈپلوما ان ارلی چائلڈ ہوڈ کیئر اینڈ ایجوکیشن
6۔ ایم اے (اسلامیات یا اسلامک اسٹڈیز)	15۔ ڈپلوما ان اسکول لیڈرشپ اینڈ مینجمنٹ
7۔ بیچلر آف آرٹس (بی۔اے)	16۔ سرٹیفیکیٹ کورس اہلیت اردو بذریعہ انگریزی
8۔ بیچلر آف کامرس (بی۔کام)	17۔ سرٹیفیکیٹ کورس فنکشنل انگلش
9۔ بیچلر آف سائنس (بی ایس سی) (لائف سائنسز)	

ای پراسپکٹس اور آن لائن درخواست فارم ویب سائٹ manuu.edu.in/dde داخلہ پورٹل manuuadmission.samarth.edu.in پر دستیاب رہیں گے۔مندرجہ بالا پروگرامس میں داخلے کے لیے درخواست فارم پراسپکٹس 2023-24 کے مطابق دی گئی رجسٹریشن فیس کے ساتھ جمع کرنا ہوگا اور اسناد کی تصدیق کے بعد پروگرام فیس کی ادائیگی کرنی ہوگی۔

امیدوار مزید تفصیلات کے لیے طلبہ رہبری یونٹ ہلپ لائن **040-23008463** اور **040-23120600 (2208&2207)** پر صبح 9 بجے سے شام 7 بجے تک رابطہ کر سکتے ہیں۔ان کے علاوہ مزید تفصیلات کے لیے طلبہ نئی دہلی، کولکتہ، بنگلور، ممبئی، پٹنہ، دربھنگہ، سری نگر، رانچی، امراوتی، حیدرآباد، جموں، نوح، ورانسی اور لکھنؤ میں واقع یونیورسٹی کے ریجنل/ سب ریجنل سنٹرس سے بھی رابطہ کر سکتے ہیں یا ویب سائٹ **manuu.edu.in/dde** ملاحظہ کریں۔

آن لائن درخواست فارم داخل کرنے کی آخری تاریخ بی۔ایڈ کے لیے **25 جولائی 2023** اور دیگر تمام پروگراموں کے لئے **25 اگست 2023** ہے۔سبھی پروگراموں کے لیے فیس ادائیگی کی آخری تاریخ **31 اگست 2023** رات 11:59 بجے سے قبل مقرر ہے۔

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم **manuu.edu.in/dde** **رجسٹرار**